ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۲۷ر جولائی ۱۹۹۲ء

- اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت (تفکر و تذکر)
- صدر اسحاق خان کو رخصت ہوجانا چاہیے (تجزیہ)
- مغرب کو احیائے اسلام سے خائف ہونا چاہیے؟ (ترا

سیاستِ انبیاء اور خلفاء

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم:

"کانت بنُو اسرائیلَ تسُوسُھم الانبیاءُ، کلما ھلکَ نبیٌّ خلفہٗ نبیٌّ وانّہٗ لا نبیَّ بعدی، وسیکونُ بعدی خلفاءُ فیکثُرُون"، قالوا: فما تأمُرُنا؟ قال: "اوفُوا ببیعۃِ الاوّل فالاوّل، ثم اَعطُوھم حقَّھم، واسألُوا اللہَ الّذی لکم، فانَّ اللہَ سائلُھم عمّا استرعاھُم" (متفق علیہ)

رواہ البخاری فی الانبیاء، باب ذکر بنی اسرائیل
ومسلم فی الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلفاء الاول فالاول

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بنی اسرائیل کا معاملہ یوں تھا کہ ان کی سیاست انبیاء کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ جب کبھی کسی نبی کا انتقال ہوجاتا تو کوئی دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا ــــ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ البتہ میرے بعد خلفاء ہوں گے اور وہ بھی بکثرت"۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: پھر آپؐ ہمیں (اس صورت حال میں) کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: وہ کہ جس کے ہاتھ پر لوگ سب سے پہلے بیعت کریں (اسے خلیفہ تسلیم کرو) اور اس کی بیعت کو پورا کرو۔ پھر ان کے حقوق کی ادائیگی کرو۔ اور (اگر ان خلفاء میں سے کوئی تمہارے کسی حق کو ادا نہ کرے تو) اپنے حقوق کے بارے میں اللہ سے سوال کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعیت کے بارے میں سوال کرنے والا ہے!"

محترم المقام جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ
السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ

روزنامہ "نوائے وقت" جمعہ میگزین میں "خلافت" کے بارے میں تفصیلی مذاکرہ کا مطالعہ کیا۔ اس سے قبل بھی "خلافت" کے موضوع پر کچھ کالم پڑھنے کا موقع ملا لیکن تفصیلی شائع کردہ لٹریچر دستیاب نہیں ہوسکا۔ اگر آپ نے اس موضوع پر لٹریچر شائع کیا ہو تو ارسال فرما دیں شکریہ!

جہاں تک "خلافت اسلامیہ" کے قیام کی بات ہے' یہ انشاء اللہ قائم ہوگا' ہوگا ضرور ہوگا خواہ دنیا کی ساری باطل قوتیں اس کو روکنے کے لئے کمر بستہ ہوجائیں اور بقول آپ کے اس کی ابتداء انشاء اللہ پاکستان سے ہوگی۔ اس سے قبل ماہنامہ میثاق میں ایک حدیث نظر سے گزری تھی۔ براہ کرم اس کا حوالہ عنایت فرمادیں۔ حدیث کی عبارت کا متن:

تکون النبوۃ فیکم ماشاء اللہ ----- ان یرفعھا(رواہ احمدؒ عن النعمانؓ بن بشیرؓ)

طالب دعا
الحاج ظہور حسین
ناظم اعلی
دارالعلوم غوثیہ حنفیہ - کمالیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

قبلہ حضرت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب!
السلام علیکم

کتنی بڑی سعادت ہے میرے لئے کہ آپ نے اپنے ادنیٰ خادم کو اپنے معاونین میں شامل کر لیا ہے میرا رجسٹریشن نمبر ۱۱۶۰۰۲ ہے۔ میں دین مصطفوی کا ایک ادنی کارکن اور خادم ہوں۔ بطور شاعر' ادیب' صحافی' کارکن تحریک پاکستان اور قومی ایوارڈ یافتہ شخص بندہ نفاذ شریعت محمدی و خلافت کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں بروئے کار لائے گا۔

میں نے تقسیم سے قبل اپنے سفر کا آغاز بطور کارکن تحریک پاکستان کیا تھا۔ ۷ر جون کو گورنمنٹ آف پاکستان نے مجھے قومی ایوارڈ اور نقد انعام سے نوازا ہے۔ مہاجرین کی یاد میں والٹن لاہور میں قائم ہونے والی عظیم الشان عمارت کا نام "باب پاکستان" میں نے تجویز کیا تھا جو یادگار کو نسل پاکستان نے منظور کر لیا جس کے صلے میں قومی ایوارڈ دیا گیا ہے۔ یہ سب آپ کی دعاؤں کا اور میری وطن دوستی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ میں تو ایک معمولی انسان ہوں اتنے اعزازات کا مستحق نہیں تھا۔

آپ کی قیادت میں اب ایک نئے سفر کا آغاز کیا ہے' خدا کرے یہ سہانا سفر وسیلہ ظفر بنے اور ہم اپنی منزل مقصود تک پہنچیں۔ سفر کافی دشوار ہے لیکن اللہ کی مدد شامل حال رہی تو کوئی رکاوٹ ہمارا راستہ نہیں روکے گی۔ نظام خلافت ہی وہ واحد طرز حکومت ہے جس میں ہمارے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ اسلام کے سوا ہم کسی نام نہاد ازم کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ خلافت ہی کی برکات تھیں کہ اسلام دنیا کے کونے کونے تک پہنچا جسے غیر مسلموں نے بھی دل سے چاہا اور سراہا۔ دور خلافت میں اقلیتوں کے حقوق کی پاسبانی بھی ہوتی تھی۔

جناب ڈاکٹر صاحب! آئندہ آپ سے قلمی رابطہ رہے گا۔ امید ہے آپ بھی اپنے خادم کو خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ شائع ہونے والا لٹریچر ارسال فرماتے رہا کریں۔ مستقبل کے لئے اپنی ہدایات سے بھی نوازتے رہیں۔ خلفائے راشدین کا دور خلافت ہماری تاریخ کا روشن باب ہے۔ ان شاء اللہ! وہی دور اور نظام دوبارہ رائج ہوگا۔ پاکستان اسلام کا ایک اہم اور ناقابل تسخیر قلعہ ہے۔ لوگ اسلامی اقدار کی سربلندی کے لئے کوشاں ہیں۔ اور دل کی گہرائیوں سے چاہتے ہیں کہ شمع خلافت اسی خطہ سے روشن ہو اور پوری دنیا اسے ایک مثال سمجھے۔ اس کے لئے ضرورت ہے یقین محکم' عمل پیہم' جہاد اور مسلسل جدوجہد کی۔ اس کے بغیر یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا

اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ "ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے"

جناب عالی! ان دنوں کچھ بیمار ہوں' صحت یاب ہوتے ہی ملاقات کے لئے حاضر خدمت ہوں گا۔
والسلام۔
عبدالعزیز چشتی
چشتی ہاؤس
شورکوٹ شہر

محترم و مکرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ تعالےٰ
وعلیکم اسلام و رحمتہ اللہ و برکاتہ
آپ کا گرامی قدر نامہ جس میں رجسٹریشن نمبر

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' امیر تنظیم اسلامی

وداعی تحریک خلافت پاکستان کا دورۂ ملتان

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ان شاء اللہ ۲۴ر جولائی ۹۲ء کو نماز جمعہ سے قبل ٹھیک ساڑھے بارہ بجے دوپہر قرآن اکیڈمی ملتان میں خطاب فرمائیں گے۔ سامعین وقت کی پابندی کا لحاظ رکھیں تاکہ اس گفتگو میں انہیں بعد از وقت شرکت کے باعث تشنگی کا احساس نہ ہو

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

جلد ۱ شمارہ ۲۶-۲۷

۲۷ر جولائی ۱۹۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون:- ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ -/۳ روپے

سالانہ زرِ تعاون (اندرون پاکستان) -/۱۲۰ روپے

زرِ تعاون برائے بیرونِ پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت	۱۶ر امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش	۱۲ر 〃 〃
افریقہ، ایشیا، یورپ	۱۷ر 〃 〃
شمالی امریکہ، آسٹریلیا	۲۰ر 〃 〃

افتتاحیہ

خدارا! ان چراغوں کو گل نہ کرو

اہل پاکستان نے اپنے رب سے کئے ہوئے عہد و پیمان کا پاس کیا نہ آزادی کی قدر پہچانی جس کا ایک نقد نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ یہاں کی سیاست میں وہ شائستگی پیدا ہو ہی نہ سکی جو جمہوری ریاستوں کا طرۂ امتیاز ہوتی ہے بلکہ ہماری بدقسمتی کی انتہا تو یہ ہے کہ ہم نے اپنے لئے جو ایک کم سے کم معیار عملاً مقرر کیا تھا اسے بھی برقرار رکھنے میں کامیابی نہ ہو سکی۔ ہم نے اسے بدقسمتی کہا تو غلط کہا کیونکہ دراصل یہ ہمارے کرتوتوں کا پھل ہے۔ ایک زمانے میں بھارت کے وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کی کہی ہوئی یہ بات ہمارے دلوں میں تیر کی طرح ترازو ہوگئی تھی کہ میں پاکستان میں کس سے بات کروں' وہاں تو حکومتیں اس طرح بدلتی ہیں جیسے میں پاجامے بھی نہیں بدلتا!۔ پھر ہمارا پڑوسی ملک سے کوئی موازنہ ہی نہ رہا' وہاں جمہوری عمل جڑ پکڑتا گیا جبکہ یہاں جمہوریت کی بساط لپیٹ دی گئی اور مارشل لاؤں کا وہ منحوس چکر چلنا شروع ہوا' جس میں سیاست ہی کیا' رفتہ رفتہ سبھی کچھ گول ہوگیا۔

بارے خدا خدا کر کے لگ بھگ سال سوا سال پہلے صورت حال میں ذرا تبدیلی آتی محسوس ہوئی تھی۔ اپنے وطن میں حکومتی سیاست میں ٹھہراؤ اور استحکام سا پیدا ہوتا نظر آیا اور بھارت کا بھرم کھلنے لگا تھا۔ وہاں حکومتوں کے بننے اور ٹوٹنے کا سلسلہ شروع ہوا اور پے در پے کئی عام انتخابات کروانے پڑے لیکن یہاں آئی جے آئی نے مڈٹرم الیکشن میں "شاندار" کامیابی حاصل کر کے ایک خوشگوار سیاسی کلچر کی بنیاد رکھی اور یہ توقع کی جانے لگی تھی کہ بہت دیر بعد ہی سہی' ملک خداداد نے بھی سیاسی روایات کے استحکام کی طرف سفر شروع تو کردیا ہے لیکن واحسرتا' یہ توقع نقش بر آب ثابت ہوئی کیونکہ آئی جے آئی ایک ملمع نکلا جسے بعض "ماہرین" نے عوام کو محض پھنسانے کے لئے ایک مصنوعی اتحاد پر الیکشن جیتنے اور حکومت بنانے کے مرحلے تک کے لئے چڑھا دیا تھا۔ بس یہی چار دن ہمارے اطمینان کے تھے' دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں اور جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا۔ وہ طلسم ٹوٹا تو معلوم ہوا کہ ہماری سیاست تو بدترین طوائف الملوکی کا شکار ہو چکی ہے۔

آج سیاست کا جو نقشہ ہمارے سامنے کھلا پڑا ہے ---- کبھی ہم اس کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں ---- اس کے غیر مستقیم اور غیر متوازی خطوط تو ان فنکاروں کی شوخیِ تحریر کا شاہکار ہیں جو ہماری مختصر قومی تاریخ میں اب گم ہو چکے ہیں لیکن ان میں غیر مساوی زاویوں کا اضافہ کر کے اقتدار کی بے ہنگم مثلث کی تشکیل سابق صدر جنرل ضیاء الحق کا وہ کارنامہ ہے جس کے اثرات آسانی سے مٹائے نہ جا سکیں گے۔ ۱۷ر اگست کی تاریخ نزدیک آرہی ہے اور ان کے چاہنے والے برسی منا کر ان کی یاد کو تازہ کرنے کے اہتمام میں مصروف ہو چکے ہیں لیکن یہ خوامخواہ کا تکلف ہی کیونکہ ان کی یاد کا بھوت تو قوم کی گردن پر ایک پیر تسمہ پا کی شکل میں مسلط ہے اور کس کی مجال ہے جو اسے فراموش کر سکے!۔ اور کوئی کسر تھی تو سندھ میں پوری ہو رہی ہے جہاں اب وہ فصل پوری طرح تیار ہو چکی ہے' جس کا بیج شہید صدر نے بویا اور جسے اپنی شاطرانہ چالوں سے سینچا بھی تھا۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہماری سیاسی افراتفری نانجاری میں ہی تبدیل نہیں ہوگئی بلکہ اب زر و سیم میں تلنے بھی لگی ہے۔ مال و زر کا سکہ اقلیم سیاست میں پہلے بھی چلتا تھا لیکن یہ تو نہ تھا جو روز روشن میں ہوا کہ ایوان اقتدار تک رسائی کے لئے ٹکٹ باقاعدہ خریدا گیا ہو اور پھر اس پر قابض ہو کر اوپر سے اوپر والی منزل میں فروکش ہونے کے لئے منہ مانگے دام دئے گئے ہوں۔ اتنی بڑی سرمایہ کاری منافع کی بھی بھاری شرح کا مطالبہ کرتی ہے اور یہ مطالبہ پورا ہوتے ہم دیکھ بھی رہے ہیں۔ مال بنانے' اسے سمیٹنے اور پھر اڑانے کے جو ریکارڈ ان دنوں قائم ہو رہے ہیں انہیں توڑنا آئندہ شاید ممکن نہ ہو کیونکہ رہا کھٹکا نہ چوری کا' دعا دیتا ہوں رہزن کو۔ چیل کے گھونسلے میں ماس ہوگا ہی نہیں۔

اور کیا زبان خلق کا یہ ورد نقارۂ خدا نہیں بن چکا کہ جن بداعمالیوں کی عقوبت میں ۶ر اگست ۹۰ء کو گزشتہ حکومت اور اسمبلیوں کے بستر گول کرائے گئے تھے انہیں اگر دس سے ضرب دیا جائے تو موجودہ حکومت کے اعمالنامے کا گوشوارہ تیار ہوتا ہے لیکن ہاں' صدر مملکت کا یہ عذر بہت وزنی ہے کہ اول الذکر سیاہ کاریوں کا دستاویزی ثبوت انہیں پیش کردیا گیا تھا جبکہ موخر الذکر کی محض دہائی دی جاتی ہے۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ اگر درست ہے تو اس کا عکس بھی ٹھیک ہی ہونا چاہیے یعنی "دیدہ کے بود مانند شنیدہ"۔ خیر یہ رموز مملکت خویش ہیں اور خسرواں جانیں' ملک کے شہریوں کی عظیم اکثریت کو خر آمد و گاؤ رفت یا گاؤ آمد و خر رفت سے کچھ فرق نہیں پڑتا تاہم یہ تو ہونا چاہیے تھا کہ انہیں بیک بنی و دو گوش ایوان اقتدار سے نکال باہر کرنے کے بعد جو کھٹکے

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

الہدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیات ۱۱۳ تا ۱۱۵)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

اور یہود نے کہا کہ نصاریٰ نہیں ہیں کسی راہ پر اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود نہیں ہیں کسی راہ پر اور حال یہ ہے کہ یہ سب تلاوت کرتے ہیں تورات کی'

(کہ یہ یہود اور نصاریٰ جو اسلام کی مخالفت میں آج باہم بڑے متحد اور یکجا نظر آتے ہیں' اس سے پہلے ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق میں پیش پیش تھے۔ یہود کا موقف یہ تھا کہ نصاریٰ یعنی عیسائیوں نے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا ہے لہٰذا ان کا ایمان سلامت نہیں رہا اور یہ کافر ہوگئے ہیں جبکہ نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ یہودیوں نے چونکہ حضرت عیسیٰؑ کی رسالت کو تسلیم نہیں کیا لہٰذا وہ بھی کافر ٹھہرے۔ ان کی پوری تاریخ میں جنگ و جدل اور مجادلہ و مباحثہ کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا' لطف کی بات یہ ہے کہ دونوں ایک ہی کتاب یعنی تورات کی پیروی کے مدعی ہیں لیکن یہ افتراق ان کے ہاں چلا آرہا ہے۔ ہاں مسلمانوں کے خلاف انہوں نے عارضی گٹھ جوڑ کر رکھا ہے لیکن یہ بات بالکل عیاں ہے کہ یہ اتحاد و اتفاق کسی خلوص اور نیک نیتی پر مبنی نہیں' محض اسلام دشمنی کا نتیجہ ہے!)

اسی طرح کہا ان لوگوں نے بھی کہ جو علم نہیں رکھتے' ان ہی کی سی بات' تو اللہ فیصلہ کرے گا ان کے مابین قیامت کے روز ان امور میں جن میں یہ جھگڑ رہے ہیں ○

(کہ یہی کچھ موقف ان مشرکین عرب کا بھی ہے کہ جو کتاب و شریعت سے ناواقف محض ہیں۔ یہ بت پرست لوگ بھی اپنے سوا تمام فرقوں کو باطل اور گمراہ خیال کرتے ہیں ---- دنیا میں یہ سب لوگ اپنی اپنی بولیاں بول رہے ہیں اور اپنے تئیں بڑے خوش ہیں' روز قیامت اللہ تعالیٰ فیصلہ صادر فرمادیں گے کہ ان میں سے حق پر کون تھا اور خود فریبی کا شکار کون!)

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو محروم کرے اللہ کی مساجد کو اس بات سے کہ ان میں اس کا ذکر کیا جائے اور درپے ہوا ان کی خرابی کے' ایسے لوگوں کے لئے زیبا نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے' ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے ○

(کہ یہ تمام مذہبی قوتیں جو آج اسلام دشمنی میں متحد نظر آتی ہیں' ان کی سیاہ کاریوں اور مظالم کی داستانیں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ یہود اور نصاریٰ کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے خونریزیاں کرتے رہے اور بلاشبہ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ کے تعصب اور عناد کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے ۶ھ میں مسلمانوں کو بیت اللہ میں داخل ہونے اور عمرے کی ادائیگی سے روک دیا اور بیت اللہ کو اجاڑنے کے درپے ہوئے۔ حالانکہ کسی کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ اللہ کے گھر کو بگاڑنے یا اجاڑنے کی نیت سے اس میں قدم رکھے۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ اللہ کے گھر میں داخل ہونے والا اللہ کی ہیبت اور جلال کے احساس کے ساتھ اس میں قدم رکھے)

اور اللہ ہی کے لئے ہیں مشرق و مغرب تو جدھر بھی تم رخ کرو' اسی طرف اللہ ہے' اور اللہ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے ○

(یہود اور نصاریٰ میں نزاع اور جھگڑے کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ اگرچہ دونوں کا قبلہ بیت المقدس تھا لیکن نصاریٰ بیت المقدس کے مشرقی گوشے کو اپنا قبلہ قرار دیتے تھے۔ اس کے مقابلے میں یہود نے اس کی مغربی سمت کو اپنا قبلہ بنایا۔ باہم دست و گریباں ہونے کے لئے یہ ایک مسئلہ بھی ان کے لئے کافی تھا۔ قرآن نے واضح کردیا کہ یہ جھگڑا ہی سرے سے بے بنیاد ہے۔ مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں' جدھر بھی تم رخ کرو گے اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ قبلے کا تعین تو محض یکسانیت اور یک رنگی کے حصول کے لئے ہے ورنہ کسی شاعر کی بات غلط نہیں ہے کہ ؎ ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں)

ایوان صدر کی سازشوں پر ایک نظر

صدر اسحاق کو رخصت ہو جانا چاہیے!

غیر جانبدارانہ انتخابات کے لئے غیر جانبدار شخصیت کی بھی ضرورت ہے

عبدالکریم عابد

جناب غلام اسحاق بہ حیثیت بیوروکریٹ اچھی شہرت کے مالک رہے ہیں لیکن منصب سیاست پر فائز ہونے کے بعد ان کی شہرت داغدار ہونے لگی اور آج وہ پوری طرح رسوا ہوگئے ہیں۔ سوال اب یہ پیدا ہوگیا ہے کہ کیا صدر کو ہٹانے کے لئے مارشل لاء کے سوا بھی کوئی چارہ کار ہے؟ اور یہ کہ اگر دباؤ ڈال کر انہیں مستعفی کرایا جاتا ہے اور علاج کے لئے باہر بھیج دیا جاتا ہے تو کیا سینٹ کے چیئرمین اس ذمہ داری کو سنبھال سکیں گے؟

جناب غلام اسحاق خان کی صدارت کو ایک حادثہ ہی کہا جاسکتا ہے کیونکہ جب صدر ضیاء بہت سارے الٹے سیدھے کام کرنے لگے تو انہوں نے صدر کو خبردار کیا تھا کہ وہ جذبات کی رو میں بہہ کر فیصلے نہ کریں۔ اس طرح کے مشورہ پر وہ اچانک معتبر سے نامعتبر قرار پائے ورنہ وہ وزیر خزانہ تھے' وزیر تجارت تھے' مختلف وزارتوں میں رابطہ کی حیثیت انہیں حاصل تھی اور منصوبہ بندی کمیشن بھی انہی کے سپرد رہا۔ کچھ عرصہ پروفیسر خورشید نے کمیشن میں جھلک دکھائی لیکن غلام اسحاق خان ہی حاوی رہے۔ کیونکہ انہیں صدر ضیاء کی پشت پناہی حاصل تھی۔ مگر جب وہ نامعتبر قرار پائے تو وزیر خزانہ کے لئے نظر انتخاب محبوب الحق پر گئی اور یہ محبوب الحق جناب غلام اسحاق کے سخت ناپسندیدہ لوگوں میں سے تھے۔

محبوب الحق اور غلام اسحاق کے درمیان رقابت اس بنا پر تھی کہ دونوں کو امریکہ نے اپنے گھر ڈالے رکھا تھا۔ اس لحاظ سے ان میں سوکناپا رہا مگر جب صدر ضیاء نے محبوب الحق کو وزیر خزانہ بنا دیا تو ہر طرف ان کے نام کا ڈنکا بجنے لگا۔ تاہم محبوب الحق کی پاکستانی نظام میں کوئی جڑ بنیاد نہیں تھی جبکہ غلام اسحاق سول بیوروکریسی کے سرغنہ تھے۔ فوج میں بھی ان پر اس وجہ سے اعتماد تھا کہ انہوں نے ہر فوجی آمر کی نہایت وفاداری سے خدمت کی تھی۔ پختون عناصر کی ایک طاقتور لابی بھی ہمیشہ غلام اسحاق کے ساتھ رہی۔ انہیں قیوم خان نے آگے بڑھایا تھا لیکن ان کے تعلقات سرحد کے سب ہی سیاسی خاندانوں سے گہرے رہے۔ فوج اور بیوروکریسی کے پختون عناصر بھی غلام اسحاق کو اپنا نمائندہ سمجھتے تھے۔

ان سب عناصر کے درمیان ایک مشترکہ تشویش یہ تھی کہ صدر ضیاء کا جانشین کسی سیاسی آدمی کو نہیں ہونا چاہیے اور ہمیں اپنے آدمی کو اس عہدہ کے لئے تیار رکھنا چاہیے۔ اس لئے سب نے مل جل کر غلام اسحٰق خان کو سینٹ کا چیئرمین بنادیا کہ صدر کی قربت اور وزارت اگر نہ ملے تو نہ سہی فی الحال اس عہدہ سے غم غلط کریں اور آنے والے وقت کے لئے تیار رہیں۔

یہ وقت آخر آہی گیا۔ انہوں نے ۱۷ر اگست ۱۹۸۸ء کو صدر پاکستان کے عہدہ کا حلف اٹھایا اور اگرچہ اس اگست میں ان کی صدارت کے چار سال پورے ہوجائیں گے اور اب وزیراعظم نواز شریف کے بیس ماہ پر تو تنقیدی مضامین اور احتساب کا سلسلہ (خاص طور پر انگریزی اخبارات میں) بہت کچھ آرہا ہے لیکن صدر اسحاق کے دور کی کارکردگی پر زبانیں گنگ رہی ہیں۔ تھوڑا بہت "ندا" میں لکھا گیا تھا یا اب بند زبانیں کھلنے لگی ہیں اور کہا جارہا ہے کہ صدر اسحاق بری الذمہ نہیں مگر اب بھی یہ صورت ہے کہ سینٹ میں صدر کی طاقتور لابی موجود ہے اور سیاستدانوں میں صدر کے ساتھ ساز باز رکھنے والوں کی تعداد خاصی ہے۔

اس ساز باز کا پہلا اظہار بے نظیر حکومت میں ہوا تھا۔ اس وقت ایوان صدر سیاسی مہم پسندوں اور منصوبہ بازوں کا گڑھ تھا۔ اس دور میں صدر اسحاق نے نفاذ شریعت کی علمبردار دینی جماعتوں سے بھی گہرے رابطے استوار کئے اور خود کو علمبرداران شریعت میں شامل کرا لیا۔ بے نظیر صاحبہ نے اپنی حماقتوں سے بہت سے لوگوں کو ناراض کر لیا تھا اس لئے ان کے خلاف صدر اسحاق کی کارروائی کا تقریباً تمام حلقوں میں خیر مقدم کیا گیا مگر نواز شریف دور میں بھی ایوان صدر ان لوگوں کی آمد و رفت کی مستقل آماجگاہ بنا رہا جو نواز شریف حکومت کے خلاف سرگرم تھے حالانکہ جب غلام اسحاق خان صدر بنے تو ایک خیال یہ بھی تھا کہ چونکہ موصوف ایماندار بیوروکریٹ

رہے ہیں اس لئے ایماندار سیاستدان بھی رہیں گے اور ان کی آئین پسند اور ضابطہ پسند طبیعت سے ملک کو فائدہ ہوگا۔ لیکن توقعات خاک میں مل گئیں۔

بالغ نظر سیاسی افراد کو تو غلام اسحاق ابتداء میں ہی کھٹک گئے تھے کہ اگر ملک میں جمہوری دور کا آغاز ہونا ہے تو اس کے لئے جمہوری طبائع کو سامنے آنا چاہیے' بیورو کریسی کے سر پر تاج کیوں رکھا جارہا ہے اور ضیاء دور کی باقیات کو جمہوریت چلانے کی ذمہ داری کیوں تفویض کی جارہی ہے مگر لوگوں نے اپنے آپ کو دلاسا دیا کہ ابھی ابتدا ہے اور اس ابتدائی مرحلے میں بیورو کریسی اور فوج جمہوریت کو جاری و ساری کرنے کا اہتمام کررہی ہے تو اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے کیونکہ ہماری اپنی عوامی یا سیاسی طاقت تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اپنے زور پر ہم جمہوریت نہیں لاسکتے اور اب امریکی دباؤ کی وجہ سے سول فوجی بیورو کریسی جمہوریت دے رہی ہے تو اسے غنیمت سمجھنا چاہیے۔ قومی اخبارات نے بھی یہی نقطہ نظر اختیار کیا۔ جنرل اسلم بیگ اور صدر غلام اسحق کی تعریف و توصیف کی گئی کہ وہ ملک کو جمہوری راہ پر ڈال رہے ہیں۔

اے کاش ایسا ہی ہوتا اور سیاسی عمل میں جانبداری کا دخل نہ ہوتا لیکن دو الیکشن کرائے گئے اور دونوں انتخابات کے موقع پر حکومتی مشینری نے پیپلزپارٹی کا راستہ روکنے کی پوری کوشش کی۔ دوسری بار کے انتخابات میں اس غرض کے لئے ہی جناب جتوئی کو نگراں وزیراعظم بنایا گیا تھا اور بعد میں ان نگران وزیراعظم صاحب نے نواز شریف سے علیحدگی کے بعد خود ہی کہہ دیا کہ دھاندلی ہوئی تھی۔ حالانکہ فوج کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ اس نے ۷۰ء کے انتخابات واقعی غیر جانبداری سے کرائے اور اگر انتقال اقتدار نہیں ہوسکا تو یہ بڑے جرنیلوں کا قصور تھا یا سیاستدانوں کا' لیکن فوج نے انتخابی عمل کے دوران اس کو مسخ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

مگر بعد میں اسی فوج کے زیر اہتمام صدر ضیاء کا بدنام زمانہ جعلی ریفرنڈم ہوا اور فوج کی اس آمریت کے عشرہ میں جو کچھ سندھ میں کیا گیا' اس کا حال بھی سب کو معلوم تھا اس لئے فوج کے وقار پر کافی ضرب لگی تھی۔ لیکن جب فوج نے انتقال اقتدار اور جمہوری بزم سجانے کا اہتمام کیا تو اس کا کھویا ہوا وقار فوراً بحال ہوگیا کیونکہ ملک کی بیشتر آبادی میں فوج کے لئے ایک نرم گوشہ ہے۔ اگر جنرل اسلم بیگ کے زمانے میں فوجی جنرل اور ان کے نمائندہ صدر اسحاق غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے تو اس سے فوج کے وقار میں مزید اضافہ ہوسکتا تھا اور ملک میں بھی استحکام پیدا ہوسکتا تھا لیکن جلد ہی یہ بات ہر محفل میں کہی اور سنی جانے لگی کہ صدر کی شخصیت کے پردہ میں فوج اقتدار کی اصل مالک ہے۔

بے نظیر کے پاس بھی نہ دفاع تھا نہ خارجہ امور تھے نہ اقتصادیات کی منصوبہ بندی ان سے متعلق تھی۔ انہیں ایک نمائشی وزیراعظم رکھا گیا وہ اس پر راضی ہوگئیں۔ انہوں نے صدر اسحاق کو منتخب صدر بھی بنا لیا لیکن اس صورت حال پر اندر سے ان کا دل جلتا تھا اور اس اندرونی کیفیت کی وجہ سے کشمکش جاری رہی۔ اس کشمکش کے نتیجہ میں انہیں الزامات کی ایک فہرست کے ساتھ رخصت کیا گیا اور گلوں میں ریفرنسوں کے پھندے بھی ڈال دئے گئے جو ابھی تک لٹک رہے ہیں۔ بے نظیر صاحبہ اور سول فوجی بیورو کریسی کی کشمکش سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ ذہن الگ تھا مزاج الگ تھا۔ لیکن جب نواز شریف وزیراعظم ہوگئے تو صدر کی لابی ان کے خلاف بھی سرگرم ہوگئی۔

چنانچہ وزیراعظم نے جونہی پیپلزپارٹی سے سیاسی تصفیہ کا ارادہ کیا' تو انہیں ڈرایا دھمکایا گیا کہ خبردار! اس راستے پر نہ جانا۔ سندھ کو وزیراعظم اور اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا گیا اور وہاں صدر اسحق نے اپنے داماد عرفان مروت کے ذریعہ اپنا خاص نظام قائم کیا جس میں جام صادق کو نصب کیا گیا تھا اور ان کے دائیں بائیں جئے سندھ اور ایم کیو ایم کو کلاشن کوف دے کر کھڑا کردیا گیا کہ اس نظام کی حفاظت کرو اور پیپلز پارٹی کو مارو۔ یہی مار دھاڑ تمہاری اہلیت کا پیمانہ ہوگا۔

ان حالات میں جنرل آصف نواز فوج کے سربراہ ہوگئے تو انہوں نے اسلم بیگ کی طرح سیاستدان بننے کی کوشش نہیں کی اور ان کا فوجی آپریشن بھی محدود فوجی سوچ اور مختلف مصلحتوں سے عاری فوجی اکھڑپن کے ساتھ تھا اور اس کے زد میں ایم کیو ایم آگئی تو اب قصر صدارت اور ایوان وزارت ہر جگہ واویلا برپا ہے جبکہ فوجی آپریشن نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کی حالت میں کھڑا ہے اور اس پر حالت شش و پنج طاری ہے۔

اب ایک صورت تو یہ ہے کہ نزلہ عضو ضعیف پر گرے یعنی صدر اسحاق کے حکم نامہ کے ذریعہ نواز شریف حکومت اور اسمبلیاں برطرف ہوں' نئی قومی حکومت قائم ہو اور نئے انتخابات کا اہتمام ہو۔ اس سے اگرچہ نواز شریف کے مخالفین کی آنکھوں میں ٹھنڈک ضرور پڑے گی تاہم یہ مسئلہ باقی رہے گا کہ صدر اسحاق سے کس طرح کہا جائے کہ جناب آپ بھی قوم کے حال پر رحم کریں اور اپنے گھر جاکر آرام کریں یا بیرون ملک پہنچ کر علاج کرائیں۔

صدر سے یہ کہنا اس لئے ضروری ہوگیا ہے کہ وہ اپنی ساکھ کھوچکے ہیں' پیپلزپارٹی کے خلاف ان کا رویہ بے لچک ہے وہ کسی قیمت پر اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور نواز شریف صاحب سے بھی ان کے تعلقات کی نوعیت ایسی ہے کہ ان میں باہمی اعتماد کبھی پیدا نہیں ہوسکتا اور اگر غیر جانبدار انتخابات کرانا مقصود ہے تو اس کے لئے حکومت اور خاص طور پر صدر کے عہدہ پر غیر جانبدار افراد ہونے چاہئیں۔○○

کوپن برائے سالانہ / ششماہی / سہ ماہی خریداری

میں ہفت روزہ "ندائے خلافت" کا سالانہ / ششماہی / سہ ماہی خریدار بننا چاہتا ہوں / چاہتی ہوں ۔ براہ مہربانی درج ذیل پتہ پر پرچہ جاری کردیجئے۔ زر تعاون کی رقم مبلغ -------- روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال خدمت ہے۔

نام .....

پتہ .....

نوٹ: (رقم ہفت روزہ "ندائے خلافت" ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور کے پتہ پر ارسال کی جائے)

اسلام کے ساتھ سب سے بڑا ظلم یہ ہوا کہ اسے "دین" کے بجائے "مذہب" بنا دیا گیا

اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت

ڈاکٹر اسرار احمد

(نوائے وقت کے شکریے کے ساتھ)

جس طرح علامہ اقبال نے فریاد کی تھی کہ "مرا یاراں غزلخوانے شمردند!" یعنی مجھ پر میرے دوستوں نے یہ شدید زیادتی کی ہے کہ مجھے بھی بس ایک غزل گو شاعر سمجھ لیا ہے---- اسی طرح واقعہ یہ ہے کہ اسلام پر جو سب سے بڑا ظلم ہوا وہ یہ کہ اسے محض ایک "مذہب" بنا کر رکھ دیا گیا۔ حالانکہ وہ مذہب نہیں "دین" ہے۔

چنانچہ قرآن مجید کے بارے میں یہ بات تو قطعی اور حتمی طور پر معلوم ہے کہ اس میں اسلام کے لئے کہیں بھی مذہب کا لفظ استعمال نہیں ہوا' زیادہ قابل توجہ بلکہ حیران کن امر یہ ہے کہ اگرچہ قرآن نے "مذہب" کے قبیل کے دوسرے متعدد الفاظ مثلاً شریعت اور طریقت وغیرہ استعمال کئے ہیں لیکن مذہب کا لفظ پورے قرآن میں سرے سے کہیں بھی وارد نہیں ہوا۔ اب اسے خواہ قسمت کی ستم ظریفی کہیں' خواہ اغیار کی "عیاری" اور اپنوں کی "سادگی" قرار دیں' ("سادگی اپنوں کی دیکھ' اوروں کی عیاری بھی دیکھ"۔ اقبال) خواہ "دیوانہ بکار خویش ہشیار" اور ؎ "تپتی راہیں مجھ کو پکاریں - دامن پکڑے چھاؤں گھنیری" کے مطابق "دین" کی بھاری ذمہ داریوں سے بچنے اور اقامت دین اور غلبہ دین حق کے لئے جہاد و قتال کی "تپتی راہوں" سے فرار' اور "مذہب" کی "گھنیری چھاؤں" میں پناہ لینے کی کوشش کا مظہر قرار دیں بہرحال واقعہ یہ ہے کہ عالم اسلام سمیت پوری دنیا میں اسلام کے لئے سب سے زیادہ استعمال ہونے والا لفظ مذہب ہے۔

عرف عام کے اعتبار سے "مذہب" انگریزی لفظ "ریلیجن" کا ترجمہ ہے اور عہد حاضر میں اس کے ساتھ یہ تصور لازم و ملزوم کے مانند چسپاں ہوچکا ہے کہ یہ انسان کا انفرادی معاملہ ہے اور اس کا دائرہ صرف عقائد' عبادات' پیدائش و وفات کی رسومات' اور شادی بیاہ اور تہواروں کی تقریبات تک محدود ہے' چنانچہ سماجی' معاشی' اور سیاسی نظام' اور قانون ملکی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے' اور اجتماعیات انسانی کے یہ تمام گوشے سیکولر دائرے سے تعلق رکھتے ہیں (یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم ترین انسان قرار دینے کی وجہ یہ بیان کی کہ "وہ یعنی آنحضورؐ پوری نسل انسانی کے واحد فرد ہیں جو حیات انسانی کے مذہبی اور سیکولر دونوں دائروں میں نہایت کامیاب ہیں۔") جبکہ اس کے برعکس دین ہونے کے ناطے اسلام حیات انسانی کو ایک وحدت اور اکائی قرار دے کر اس کے تمام شعبوں اور پہلوؤں پر اللہ کی حاکمیت کا نفاذ چاہتا ہے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ جب اسلام آزاد اور غالب ہوتا ہے تب ہی وہ "دین" ہوتا ہے۔ اور جب وہ محکوم اور مغلوب ہوجاتا ہے تو ؎ "بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب۔ اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی!" کے مصداق "مذہب" بن کر رہ جاتا ہے۔ اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپؐ نے بیس سالہ انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں اسلام کو بحیثیت دین غالب و قائم کردیا' اور مذہبی اور سیاسی دونوں میدانوں میں اللہ کی حکمرانی کا پرچم لہرا دیا!

اسلام کے "دین" سے "مذہب" کی جانب تنزل کے عمل کا آغاز تو خلافت راشدہ کے خاتمے کے فوراً بعد ہی ہوگیا تھا جب حکومت و سیاست کی بلند ترین سطح سے اسلام کو بے دخل کردیا گیا تھا۔ تاہم ہزار بارہ سو برس تک حدیث نبوی میں وارد شدہ اصطلاح کے مطابق "کاٹ کھانے والی (یعنی ظالم) ملوکیت" کے تحت بھی کم از کم قانون کی سطح پر شریعت اسلامی کی عملداری برقرار رہی لیکن اب سے تقریباً دو سو سال قبل یہ عمل اپنی پوری شدت اور اپنے آخری نقطہ زوال' کو پہنچ گیا جب حدیث نبویؐ کی اصطلاح میں "ملکاً جبریاً" یعنی غیر مسلموں کی غلامی کا دور شروع ہوگیا۔ اور اسلام کی عملداری قانون ملکی سے بھی ختم ہو کر صرف عقائد و عبادات اور احوال شخصیہ تک محدود ہو کر رہ گئی۔ لیکن اس معاملے کا افسوس ناک ترین پہلو یہ ہے کہ عام مسلمانوں ہی نے نہیں' بڑے بڑے علماء نے بھی اس صورت حال کو ذہناً قبول کر لیا یہاں تک کہ ماضی قریب میں بعض نامور علماء نے یہ تک کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ایسا کوئی کام نہ کریں جس سے ہمارے حکمرانوں (یعنی انگریزوں) کو پریشانی لاحق ہو' اس لئے کہ انہوں نے ہمیں "مذہبی آزادی" دے رکھی ہے۔ چنانچہ اسی پر پھبتی چست کی تھی علامہ اقبال نے کہ ؎ "ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت - ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!" اور اگرچہ اس وقت طبقہ علماء کی اکثریت اور ان کے زیر اثر عوام کے ذہنوں میں اسلام کا یہی "مذہبی تصور" جاگزیں ہے' تاہم اللہ کا شکر ہے کہ گذشتہ پون صدی کی احیائی

مساعی کے نتیجے میں امت کے ایک قابل لحاظ حصے میں یہ حقیقت از سرنو واشگاف ہوگئی ہے کہ اسلام صرف مذہب نہیں' دین ہے! فللہ الحمد والمنۃ!!

دین کی حیثیت سے اسلام کی اعلیٰ ترین قدر' اس کا آخری حدف' اور اصل مقصود و مطلوب عدل اجتماعی یعنی سماجی انصاف یا سوشل جسٹس ہے جس کے تین نمایاں ترین مظاہر ہیں :(۱) سماجی اور قانونی سطح پر کامل مساوات (۲) سیاسی سطح پر حریت اور (۳) معاشی سطح پر عدل و انصاف۔ چنانچہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ معاشرتی میدان میں اونچ نیچ اور ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز ہو' نہ سیاسی میدان میں جبر و استبداد کا راج اور بندہ و آقا' حاکم و محکوم اور مستکبرین اور مستضعفین کی تقسیم ہو' نہ اقتصادی میدان میں انسان ظلم اور استحصال کے باعث Haves اور Have Nots یعنی مترفین و محرومین میں منقسم ہوں!

یہاں ایک وضاحت مناسب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض حضرات کو خیال آئے کہ اسلام کی اعلیٰ ترین اقدار تو تقرب الی اللہ اور تعلق مع اللہ یعنی بندہ اور رب کے مابین خلوص و اخلاص اور باہمی محبت و ولایت کا رشتہ ہے! تو اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ واقعہ یہی ہے کہ اسلام انفرادی سطح پر بندہ مومن کو جو اعلیٰ ترین نصب العین عطا کرتا ہے وہ رضائے الٰہی اور فلاح اخروی کا حصول ہی ہے' لیکن اس حقیقت سے صرف نظر کرلینا بھی شدید قسم کی بے حسی اور ناانصافی کے بغیر ممکن نہیں کہ جس خطہ ارضی میں نظام اجتماعی ظالمانہ اور استحصالی ہو وہاں کے لوگوں کی عظیم اکثریت کولہو کے بیلوں اور بار برداری کے جانوروں کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے اور فرمان نبویؐ "قریب ہے کہ فقرواحتیاج کفر کی صورت اختیار کرلیں!" اور قول شاعر۔ "دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کردیا۔ تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے!" کے مطابق ان میں نہ اتنا شعور باقی رہ جاتا ہے کہ اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کرسکیں' نہ اتنی فرصت ہی حاصل ہوتی ہے کہ "بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے!" کے مصداق اسے یاد کرسکیں یا اس سے لو لگا سکیں! اس سلسلے میں امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا یہ قول آب زر سے لکھنے کے قابل اور لوح قلب و ذہن پر نقش کرلینے کا مستحق ہے کہ تقسیم دولت کا غیر منصفانہ نظام ایک دو دھاری تلوار ہے جو معاشرے کو دونوں جانب سے کاٹتی ہے چونکہ اس کے نتیجے میں ایک جانب ایک محدود طبقے میں دولت کا ارتکاز ہوجاتا ہے جس سے عیاشی اور بد اخلاقی جنم لیتی ہے' اور دوسری جانب فقرو احتیاج کا دور دورہ ہوجاتا ہے جس سے انسان ڈھور ڈنگر کی صورت اختیار کرلیتے ہیں! بنابریں خانقاہی نظام کے برعکس جو مجاہدہ نفس اور ریاضت و مراقبہ ہی کو مقصود و مطلوب بنا لیتا ہے اسلام نے اپنا "ذروۃ سنام" یعنی چوٹی کا عمل جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا ہے جس کا اصل ہدف ہے : قیام نظام عدل اجتماعی اور ظلم و جبر اور استحصال اور استبداد کا خاتمہ!!

اسلام میں اس عدل اجتماعی' یا سماجی انصاف یعنی سوشل جسٹس کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس مسئلے میں قرآن حکیم کی عام تعلیمات پر مستزاد ان تصریحات کے جائزہ سے با آسانی کیاجاسکتا ہے جو تین اعلیٰ ترین سطحوں یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسالت' اور امت مسلمہ کے فرائض منصبی کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں:۔

۱) اسلام کی اصل اساس ایمان باللہ ہے' اور ایمان باللہ اور معرفت الٰہی کا واحد ذریعہ اللہ کے اسماء و صفات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ کی تفصیل پر مشتمل جو حدیث امام ترمذیؒ اور امام بیہقیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام نامی اور اسم گرامی "العدل" بھی ہے۔ یعنی سراپا عدل اور مجسم انصاف۔ قرآن حکیم میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کا یہ نام تو وارد نہیں ہوا' تاہم متعدد مقامات پر اس کی اس شان کا ذکر موجود ہے مثلاً :(i) "اللہ فیصلہ کرتا ہے حق کے ساتھ" :سورۂ مومن ۲۰ (ii) "تیرے رب کی بات صدق و عدل کے جملہ معیارات کے مطابق پوری ہوچکی ہے" سورۂ انعام ۱۱۵ (iii) "خود اللہ بھی گواہ ہے اور سب فرشتے اور تمام اہل علم بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عدل و انصاف کو قائم کرنے والا ہے": سورۂ آل عمران ۱۸ (iv) "اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔ سورۂ مائدہ' سورۂ حجرات اور سورۂ ممتحنہ۔

۲) ایمان باللہ کے بعد درجہ اور مرتبہ ہے ایمان بالرسالت یعنی بعثت انبیاء و رسل اور انزال کتاب و شریعت پر یقین کا۔ چنانچہ یہ بات بھی قرآن حکیم نے نہایت واشگاف الفاظ میں واضح کردی ہے کہ ان جملہ امور کا اصل مقصد یہ ہے کہ "انسان عدل و انصاف پر قائم ہوں"۔

اس اہم موضوع پر قرآن حکیم کی سب سے زیادہ "انقلابی آیت" سورۂ حدید کی آیت ۲۵ ہے جس کے بارے میں بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ اتنے مختصر الفاظ میں اس قدر جامع اور اتنی بھرپور اور گھمبیر انقلابی عبارت کی کوئی دوسری مثال دنیا کے پورے انقلابی لٹریچر میں کہیں نہیں مل سکتی۔ اس آیہ مبارکہ کا ترجمہ بعض تشریحی اضافوں کے ساتھ یوں ہوگا:۔ "یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں (یعنی معجزات و براہین) کے ساتھ بھیجا۔ اور ان کے ساتھ اپنی کتاب بھی نازل فرمائی اور میزان بھی' تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں اور (جو لوگ اس میزان عدل کے نصب کرنے میں رکاوٹ بنیں' ان کی سرکوبی کے لئے) ہم نے لوہا اتارا جس میں (حرب و ضرب) کی شدید قوت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے لئے (کچھ دوسرے) فائدے بھی ہیں۔ اور (اس سے اللہ کا اصل مقصد یہ ہے) کہ اللہ (ایمان کے دعویٰ کرنے والوں کو آزمائے اور یہ) دیکھے کہ کون ہیں جو (لوہے کی حربی قوت کے استعمال کے ذریعے) مدد کرتے ہیں اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں ہوتے ہوئے (ورنہ) یقیناً اللہ (خود) نہایت زور آور اور مختار مطلق ہے"!

اس آیہ مبارکہ نے نہایت واشگاف الفاظ میں واضح کردیا ہے کہ:

اولاً ---- شریعت خداوندی کی اصل حیثیت ایک میزان عدل و قسط کی ہے جس میں انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق و فرائض تولے جانے چاہیں۔

ثانیاً ---- بعثت انبیاء و رسل اور نزول وحی و کتب سے آخری مطلوب یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ میزان عدل و قسط بالفعل نصب ہو اور جسے کچھ ملے اس میں تل کر ملے اور جس سے کچھ لیا جائے اس میں تول کر لیا جائے اور اگر یہ مقصد حاصل نہ ہو تو "گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!" کے مصداق رسولوں کے ساتھ عشق و محبت کے دعوے باطل اور کتاب الٰہی کی تلاوت و قراءت کا ذوق و شوق بے مقصد ہوجاتا ہے۔

ثالثاً ---- اس میزان عدل و قسط کو عملاً نصب کرنے کے ضمن میں جہاں اصل کام دعوت و

تبلیغ' وعظ و تلقین' انذار و تبشیر اور ترغیب و ترہیب سے لیا جائے گا وہاں قوت و طاقت کا استعمال بھی قطعاً غلط یا مطلقاً ناجائز نہیں' بلکہ حسب ضرورت نہ صرف جائز بلکہ بعض صورتوں میں فرض اور واجب ہو جاتا ہے۔

رابعاً"----- جس طرح انسان کی حیات دنیوی کا اصل مقصد از روئے قرآن ابتلا و آزمائش ہے جیسے کہ وارد ہوا سورۃ الملک کی آیت نمبر ۲ میں جس کی ترجمانی کی ہے ترجمان حقیقت علامہ اقبال نے اپنے اس حکیمانہ شعر میں کہ ؎ "قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب- اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!" اسی طرح انبیاء ورسل کی بعثت اور کتاب و شریعت کے نزول کا مقصد ان لوگوں کے خلوص اور صداقت کا امتحان ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان کے دعوے دار ہوں کہ آیا وہ اللہ کی عطا کردہ میزان عدل کو بالفعل نصب کرنے اور اسلام کے نظام عدل و قسط کو عملاً قائم کرنے میں تن من دھن کھپاتے حتیٰ کہ وقت آنے پر نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آجاتے ہیں یا نہیں!

خامساً"---- وہ صاحب ایمان جو اس امتحان میں پورے اتریں اللہ کے نزدیک بلند ترین مقام و مرتبہ کے مستحق ہوں گے' یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے "مدد گار" قرار پائیں گے۔

قرآن حکیم کے طالب علم جانتے ہیں کہ اس کتاب عزیز کا ایک مستقل اصول یہ ہے کہ اس میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ حدید کی اس آیت ۲۵ کی طرح سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۷ میں بھی کتاب و میزان کا ذکر یکجا وارد ہوا ہے۔ اور اس سے قبل آیت ۱۵ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے "مجھے ہے حکم اذان لا الہ الا اللہ" کے انداز میں کہلوایا گیا ہے کہ "مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں!"--- اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کا ذکر جس انداز میں سورۂ حدید کی اس آیت کے آخر میں آیا ہے' بالکل اسی طرح سورۂ صف کی آخری آیت میں بھی وارد ہوا ہے! اور ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ سورۂ صف کی مرکزی آیت وہی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت یہ بیان ہوا ہے کہ جو دین حق یعنی نظام عدل و قسط آپؐ کو دے کر بھیجا گیا ہے اسے پورے نظام زندگی پر بالفعل قائم کردیں۔

۳) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوجانے کے بعد اب قیامت تک رسالت کے مشن کی تکمیل اور فرائض رسالت کی ادائیگی کی ذمہ داری امت مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوگئی ہے۔ اس کے ضمن میں قرآن حکیم میں جہاں سورۂ حج کی آخری آیت اور سورۂ بقرہ کی آیت ۱۴۳ میں "شہادت علی الناس" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے' اور سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۴ اور ۱۱۰ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے الفاظ وارد ہوئے ہیں وہاں سورۂ نساء کی آیت ۱۳۵ اور سورۂ مائدہ کی آیت ۸ میں ذرا سی لفظی ترتیب کے فرق کے ساتھ عدل و قسط کی گواہی اور نظام عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے پوری قوت کے ساتھ کھڑے ہوجانے کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے چنانچہ سورۂ نساء میں ارشاد ہوا :(ترجمہ) "اے اہل ایمان پوری قوت کے ساتھ عدل و قسط کے قائم کرنے والے اور اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بنو خواہ یہ گواہی تمہارے اپنے خلاف پڑ رہی ہو' خواہ تمہارے والدین اور قرابت داروں کے خلاف جا رہی ہو!"--- اور سورۂ مائدہ میں فرمایا: (ترجمہ) اے ایمان والو! پوری قوت کے ساتھ اللہ کے لئے کھڑے ہوجاؤ عدل و قسط کی گواہی دیتے ہوئے' اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرنے پائے کہ تم عدل سے انحراف کرو' ہر حال میں عدل سے کام لو' یہی تقوی سے قریب تر ہے!"

۴) اس مضمون کا نقطہ عروج یہ ہے کہ قرآن مظلوم اور محروم طبقات کو صرف صبر ہی کی تلقین نہیں کرتا بلکہ انتقام لینے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ چنانچہ انفرادی سطح پر تو سورۂ نساء کی آیت ۱۴۸ کے یہ الفاظ کفایت کرتے ہیں کہ (ترجمہ) "اللہ کو بری بات بلند آواز سے کہنا بالکل پسند نہیں' سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو!" اور اجتماعی سطح پر یہ بات نہایت واشگاف الفاظ میں فرمائی گئی ہے سورۂ شوریٰ کی آیت ۳۹ میں ایسے لوگوں کا ذکر مدح و ستائش کے انداز میں کر کے جن پر ظلم اور زیادتی کی جائے تو وہ اس کا بدلہ اور انتقام لیتے ہیں!" اور پھر آیات ۴۱ اور ۴۲ میں ان تصریحات کے ذریعے کہ (ترجمہ) "جو کوئی انتقام لیتا ہے اس کے بعد کہ اس پر ظلم کیا گیا ہو تو ایسے لوگوں پر نہ کوئی الزام ہے نہ ملامت' الزام اور ملامت کے قابل تو وہ ہیں جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں (یعنی ان کے سماجی' سیاسی اور معاشی حقوق غصب کرتے ہیں) اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں (یعنی مستکبرین اور مترفین کی صورت اختیار کرلیتے ہیں) ایسے ہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے!" ان اختتامی الفاظ میں گویا کہ اشارہ موجود ہے کہ ان ظالموں اور مستکبروں کو آخرت میں تو سزا ملے ہی گی دنیا میں بھی نہ صرف یہ کہ ان کے ہاتھ روکنے کی بھرپور سعی ہونی چاہیے بلکہ ضرورت پیش آئے تو سورۂ بقرہ کی آیت ۱۷۹ میں وارد شدہ الفاظ "اے ہوشمندو تمہارے لئے قصاص ہی میں زندگی ہے!" کے مطابق ایسے لوگوں کو بھرپور سزا دینے حتیٰ کہ ان کی سرکوبی کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جانا چاہیے!

حاصل کلام یہ کہ بحیثیت دین اسلام کی اعلیٰ ترین قدر سماجی اور تمدنی انصاف ہے اور اقامت دین یعنی اسلامی انقلاب کا اصل ہدف یہ ہے کہ اللہ کا عطا کردہ متوازن اور معتدل نظام عدل اجتماعی (سسٹم آف سوشل جسٹس) قائم کیا جائے!

آخر میں عربی زبان کے اس مقولے کے مطابق کہ "اصل فضیلت اور خوبی وہ ہے جس کا اعتراف دشمن بھی کریں!" ایک شاتم رسولؐ کی گواہی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میری مراد ایچ جی ویلز سے ہے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی اور ازدواجی زندگی پر نہایت رکیک حملے کئے ہیں لیکن اس نے بھی اپنے آپ کو اس عدل اجتماعی کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شاندار ہدیہ تحسین پیش کرنے پر مجبور پایا۔ چنانچہ اپنی تالیف "اے کنسائز ہسٹری آف دی ورلڈ" میں آنحضورؐ کے خطبہ حجۃ الوداع کے کچھ حصے نقل کرنے کے بعد اس نے لکھا:" انسانی حریت' اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے تھے' چنانچہ مسیح ناصری کے یہاں بھی وہ بکثرت موجود ہیں' لیکن اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان اصولوں پر بالفعل ایک معاشرہ تاریخ انسانی میں پہلی بار قائم کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے" (نوٹ ایچ جی ویلز کی یہ عبارت اس کتاب کے نئے ایڈیٹروں نے تازہ ایڈیشن سے حذف کردی ہے' لیکن بڑی لائبریریوں میں وہ پرانے ایڈیشن دستیاب ہیں جن میں یہ الفاظ موجود ہیں!)

ساتھ ہی شدید حسرت کے ساتھ یہ عرض کئے بغیر نہیں رہا جارہا کہ معمار پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے بھی حصول پاکستان کے اصل مقصد کی وضاحت کے لئے یہی الفاظ استعمال کئے تھے کہ :" ہم پاکستان اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ عہد حاضر میں اسلام کے اصول حریت و اخوت و مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرسکیں" اور ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں مصور پاکستان علامہ محمد اقبال نے بھی اپنی اس پیشگوئی کے ساتھ کہ "ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں پر مشتمل ایک آزاد مسلمان ریاست کا قیام تقدیر الٰہی ہے" یہی فرمایا تھا کہ "اگر ایسا ہوگیا تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات کے چہرہ روشن پر جو پردے عرب ملوکیت کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اسلام کا اصل روئے انور دنیا کو دکھا سکیں !" ------ لیکن افسوس صد افسوس' کہ قیام پاکستان کے لگ بھگ ۴۵ سال بعد بھی ہنوز روز اول والا معاملہ ہے اور اس سمت میں کوئی پیش قدمی نہیں ہو سکی ----- کاش ! اے کاش!! کہ "کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو !" کے مصداق ملت اسلامیہ پاکستان اب بھی اپنے اصل ہدف کی طرف بڑھنے کا عزم مصمم کرلے ---- آمین! وما ذالک علی اللہ بعزیز!

توجہ طلب

ہم اصل مرض کا علاج کیوں نہیں کرتے

ابن صالح ۔ لاہور

ملکی اور قومی سطح پر ہماری بے عملی' بے حسی کی انتہا کو پہنچ کر گویا اب ہمارے مزاج کا حصہ بن چکی ہے جس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ فکری اعتبار سے بھی الا ماشاء اللہ ہم تہی دست ہو چکے ہیں ۔ اس کا شدید احساس سندھ کے دانش وروں کی وزیراعظم کو پیش کی جانے والی یادداشت "ندائے خلافت" ۲۹ر جون دیکھ کر ہوا۔

امت مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی اور بین الاقوامی معاملات میں بے وقعتی کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ۔ اس کا آئے دن برملا اظہار کیا جاتا ہے ۔ دنیا بھر سے طرح طرح کے نسخے حل کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں ۔ مگر نہیں ہے تو ایک اسلام کا کہیں تذکرہ نہیں ۔ سیاسی مقاصد اور وقتی مفاد کی خاطر اسلام کا نام جپنے والوں کی ہرگز کمی نہیں ۔ اسلام کا بطور نظام ' یعنی نظام خلافت کا قیام گوارا نہیں۔

جہاں تک ہمارے سندھی بھائیوں کا تعلق ہے ' جن کی جانب سے مذکورہ بالا یادداشت وزیراعظم کو پیش کی گئی ہے ' کسی ایک کے بارے میں بھی یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ سوائے خلوص اور نیک نیتی کے کوئی مقصد ان کے پیش نظر ہو سکتا ہے مگر جس طرح انہوں نے احتیاط کے ساتھ بطور تبرک اسلام کے تعلیمی ' تربیتی اور اشاعتی مراکز قائم کرنے کی تجویز پیش کی ہے اور وہ بھی صرف سندھ کی حد تک ' وہ اپنی مثال آپ ہے ۔ سوال یہ ہے کہ مکمل اسلامی نظام کے نفاذ سے سندھ یا پاکستان کو کیا خطرہ لاحق ہے ؟۔ اسی ضمن میں دوسری بات کہ کالا باغ کے بننے یا نہ بننے اور بہاریوں کی آمد یا آمد میں رکاوٹ کا اسلام یا غریب عوام سے کیا تعلق ہے ' سرے سے سمجھ نہیں آتی۔

یہ بات صد فی صد درست ہے کہ ناجائز قبضہ داروں سے تمام اراضی واپس لی جانی چاہیے اور دہشت گردی ' ڈاکہ زنی اور افسر شاہی کا خاتمہ ہونا چاہیے ۔ مگر "مستحق غریب کسانوں" میں "مفت" زمین تقسیم کرنے اور کسی کے لئے بھی ملازمتوں میں حصہ مقرر کرنے کا کیا جواز ہے ۔ واپس لی گئی زمینیں بیت المال میں کیوں نہ رکھی جائیں اور ملازمتوں کے لئے کھلے مقابلے کا رجحان کیوں نہ پروان چڑھایا جائے ۔ آپ کس کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیں گے کہ کون زیادہ مستحق ہے اور کسی کا کتنا حصہ ہے ؟۔ یہی تو بنیادی مسئلہ ہے۔

آخر میں یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ کب تک ہم صرف حکومت کے بھروسے سے جیتے جائیں گے ۔ جب ہم سب بحمد للہ مسلمان ہیں تو اسلام کی بنیاد پر باہم مربوط اور منظم ہو کر اس نظام کو بدلنے کی جدوجہد کیوں نہیں کرتے جو سارے فساد کی اصل وجہ ہے ؟۔

بقیہ افتتاحیہ

تھے "دل یزداں" میں کانٹے کی طرح' سونے کی رتھ میں سوار ہو کر آنے والے جن چہیتوں کو "اہلا" و "سہلا" مرحبا کہا گیا تھا ان کے ہاتھ روکے جاتے اور ہاتھ مضبوط بھی کئے جاتے ۔ ہاتھ رکنے چاہیں تھے جب زر سے ' اقربا نوازی سے ' ظلم و تعدی سے اور قوم کی گاڑھے پسینے کی کمائی کو سیر سپاٹے اور کرو فر میں لٹانے سے اور ہاتھ مضبوط کئے جاتے سیاسی استحکام پیدا کرنے میں' حزب اختلاف سمیت سب اہم سیاسی عناصر کو ساتھ لے کر چلنے میں اور منہ زور بیورو کریسی کو لگام دینے میں ۔ کرنے کا یہ کام نہ کیا گیا اور اس کا انجام اب نوشتہ دیوار ہے ۔

انسان خطا کا پتلا ہے ۔ مسلمانوں کی امانت کا حق ادا کرنے میں جس کسی سے بھی کوتاہی کا صدور ہوا ہو' خواہ وہ مجرمانہ غفلت ہی کیوں نہ قرار پائے ' احساس و اعتراف خطا کے ساتھ ندامت کی جھولی پھیلا کر عفو و درگزر کی بھیک مانگی جائے تو رب رحیم کرم فرماتے اور توبہ قبول کرلیتے ہیں۔ لیکن اس اللہ کے خلاف تو ہم نے بغاوت کا علم بلند کر رکھا ہے ' اس کی طرف رجوع کریں تو کس منہ سے ! ہمیں تو حالات کے تیور کی بھی پہچان نہیں رہی ۔ امریکہ کی خوشنودی میں ہر حد پھلانگی جا سکتی ہے اور کشمیر کے ذکر پر سیدہ عابدہ حسین سے منسوب اخبارات کی روایت کردہ جھنجلاہٹ مع ان کے شوہر نامدار کی بروقت وضاحت سے جو خیر سے وفاقی وزیر بھی ہیں' یہ بات بالکل آشکارہ ہو چکی ہے گرچہ راز پہلے بھی نہ تھی ۔ وہی امریکہ ہمیں باعزت ' باوقار اور خود مختار قومی زندگی گزارنے کا حق دینے پر اب آمادہ نہیں کیونکہ ہم سے وابستہ مصلحت اب اس کی کمزوری نہیں رہی اور پوری مغربی دنیا مع یو این او امریکہ کی جیب میں ہے ۔ ان شیطانی عزائم کے مقابلے کا کیا یہی ڈھنگ ہے؟۔

قوم کی کشتی کے ناخداؤ! اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کے اس پاک وطن کو ناپاک نہ ہونے دو ۔ اس سر زمین کے مستقبل کے بارے میں ہم جیسے بہت سے لوگ امید کے چراغ جلائے ہوئے ہیں ۔ خدارا ' ان چراغوں کو گل نہ کرو ۔ اب بھی وقت ہے' ہوش میں آؤ ۔ کیا تمہیں احساس نہیں کہ پانی اب سر سے گزر رہا ہے ؟۔○

شمشیر اسلام دست قضا میں

کیا مغرب کو احیائے اسلام سے خائف ہونا چاہیے؟

امریکی جریدے "ٹائم" میں شائع ہونے والی سرورق کی کہانی

تلخیص و ترجمہ : سردار اعوان

مشہور امریکی ہفت روزہ "ٹائم" نے جس کا یہودیوں کا آلہ کار ہونا ظاہر و باہر ہے ، اپنے شمارہ ۱۵ر جون میں سرورق کی کہانی کے طور پر جیمز والش کا ایک طویل تجزیہ "شمشیر اسلام" کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ اس کی تلخیص اور ترجمہ اپنے جریدے میں شائع کر کے ہم قارئین کو دعوت فکر دے رہے ہیں۔ (مدیر)

چودہ سو سال پہلے عرب کے ریگزاروں میں ایمان کی ایک نئی سحر نمودار ہوئی جس کی روشنی دیکھتے ہی دیکھتے تین براعظموں تک پھیل گئی۔ حضرت محمدؐ کے گہرے سبز رنگ کے جھنڈے تلے اسلام کے سپاہیوں نے پوری کی پوری تہذیبیں ، وہاں کا طرز زندگی اور دنیاوی نقطہ نگاہ قرآن کے مطابق تبدیل کردیا۔ آج زیادہ تر انہی علاقوں میں اسلام ایک نئے مفہوم اور بظاہر اسی رفتار سے پھیل رہا ہے۔ شمالی افریقہ کے ساحل سے لے کر وسطی ایشیاء کے چٹیل میدانوں تک مسلمان معاشروں میں حضورؐ کی تعلیمات کا رنگ جھلک رہا ہے۔ ایک طرف تجدید کی امیدیں ہیں تو ساتھ ہی چڑھائی چڑھنے کا خوف بھی۔

پوری دنیا در حقیقت حیرت کے ساتھ اس زبردست تبدیلی کا مشاہدہ کر رہی ہے جیسے کہ قرون وسطی کا یورپ طاقت کے اعتبار سے اسلام کی عظمت کے آگے سرنگوں تھا۔ روس کے خاتمہ کے بعد مغرب میں بعض پالیسی ساز ادارے اس تشویش میں مبتلا ہیں کہ کہیں اسلامی "بنیاد پرستی" جسے مسلمان غلط اصطلاح تصور کرتے ہیں ، آنے والے ہزار سالوں میں آزاد خیال جمہوریت کے لئے خطرہ کا باعث تو نہیں۔

احیائی تحریک کا سہ گونہ عذاب ، دہشت گردی ، غیر رواداری اور انقلاب برائے برآمد اکثر لوگوں کے لئے ، بلالحاظ تہذیب و ثقافت ، یکساں طور پر باعث تشویش ہے۔ انسانی جانوں اور آزادی کو لاحق خطرات کے علاوہ مغربی اقوام کو یہ بھی خوف ہے کہ مسلم معاشروں کے عدم استحکام سے تارکین وطن کا سیلاب --- سرسبز علاقوں کا رخ کرے گا ، جیسا کہ فرانس اب بھی ان غریب اور پس ماندہ مہاجرین کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے جنہوں نے وہاں کے صنعتی شہروں کے گرد و نواح میں جھونپڑیاں ڈال کر بستیاں بنالی ہیں۔

احیاء اسلام کی کسی تحریک پر مغرب میں پائے جانے والے رد عمل کا ایک سبب وہ مغرب مخالف نعرے اور بیان بازی ہے جسے ۱۹۷۹ء کے ایرانی انقلاب سے ہوا ملی۔ جو "شیطان اعظم" امریکہ اور یورپ کے خلاف دشمنی کا کھلا مظاہرہ تھا ، اسلام کے لئے جوش و خروش اور اس سے وابستگی کے بارے میں متعدد آراء ہوسکتی ہیں۔ البتہ وہ لوگ اس پر خوش ہیں کہ شاہ کا تختہ الٹا گیا نیز دوسرے مسلمانوں کو اس سے شہ ملی --- یہ ایران کی مثال اور کہیں کہیں دوسروں کی امداد کا اثر ہے کہ افریقہ کا مسلم علاقہ ، مشرق وسطی ، جنوبی ایشیاء ، یہاں تک کہ مغربی چین کا صحرائی مسلم آبادی والا علاقہ وہ علاقے ہیں جہاں کی حکومتوں کے خلاف عوام کی نفرت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اس وقت جبکہ خیال کیا جارہا ہے کہ ایران کیمی معلومات اور روس میں بم بنانے کے سازو سامان تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش میں ہے ، مغرب مخالف کوئی بھی بین الاقوامی تحریک لامحالہ روایتی دشمنی تصور کی جائے گی کیونکہ تاریخی اعتبار سے یہ دشمنی بہت حد تک مسلمہ حیثیت رکھتی ہے۔ اور مغربی ذہن میں صدیوں تک اسلام کے ساتھ شامی تلواروں کا تصور پیوست رہا ہے۔ بعض سچے قسم کے مسلمان یہ جان کر ہمیشہ صدمہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے عقیدہ ، جس کا مطلب ہے بندگئی رب ، کے ساتھ اس قسم کا تشدد کا تصور لایا جاتا ہے۔ یہ بات اگرچہ عجیب لگتی ہے مگر آج کی دنیا کے حالات میں مذہب کا کردار معاونت سے آگے کا نہیں۔ ماضی میں لڑی جانے والی صلیبی جنگوں کے باوجود آج جس محاذ آرائی کا سامنا ہے وہ کسی مذہبی جذبہ کی وجہ سے نہیں بلکہ حقائق کے بارے میں نقطہ نگاہ کا اختلاف ہے۔

تو کیا اسلام اور باقی دنیا کے درمیان ایک معمولی سی آویزش کو بڑھا چڑھا کر خوف کا درجہ دے دیا گیا ہے؟ اکثر مسلمان راہنما اس خیال آرائی کو جسے وہ خود ساختہ بحران سے تعبیر کرتے ہیں ، اشتعال کا باعث قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمان صرف اپنے ملک کے اندر عدل و انصاف چاہتے ہیں۔ اس سے باہر کسی قسم کی جنگی مہم ہمارے پیش نظر نہیں بلکہ امریکہ اور یورپی طاقتیں مسلم دنیا میں غاصب حکمرانوں کی پیٹھ ٹھونک کر خود محاذ آرائی کی راہ ہموار کرتے ہیں جبکہ اسرائیل کی یہودی ریاست کے قیام کی حوصلہ افزائی تو اس سے بہت آگے کا اقدام ہے۔

گویا اسلامی تحریکیں مغرب کی مسلط کردہ جدید ثقافت کے خلاف محض ایک رد عمل ہیں جن میں بعض اوقات تلخی آجاتی ہے۔ مگر ایک بھارتی مصنف اور وہاں کی افرادی وسائل کی وزارت کے

مشیر ایم جے اکبر کی پیش گوئی ہے کہ " مستقبل میں مغرب کے ساتھ مسلم دنیا کا ٹکراؤ یقینی ہے --- ساری مسلمان اقوام ایک لشکر کے ساتھ نیو ورلڈ آرڈر کے لئے اپنی جدوجہد شروع کرنے کی تیاری کررہی ہیں"

مسلمانوں کے کسی لشکر کی بات بہرحال ایک بحث طلب معاملہ ہے ۔ مختلف فرقوں ' لسانی گروہوں ' قومیتوں اور الگ الگ سیاسی ڈھانچوں میں بٹی ہوئی مسلم دنیا اکثر جگہوں پر آپس میں ہی برسرپیکار ہے۔ الجزائر کے قومی انتخابات میں فیصلہ کن کامیابی حاصل ہونے کے باوجود اسلامک سالویشن فرنٹ ' کو جنوری میں ایک معمولی سی فوجی بغاوت کے ذریعے کچل دیا گیا ۔ سیکولر ترکی اور اسلامی ایران روسی خاتمہ کے بعد وہاں کی مسلم ریاستوں میں اثر رسوخ بڑھانے کے لئے الگ الگ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں ۔

سوڈان کی نئی اسلامی انتظامیہ بمشکل کوئی فوجی اہمیت حاصل کر پائی ہے ۔ قذافی کا ریڈیکل سوشلسٹ لیبیا اور بعث پارٹی کی عراق و شام میں اعلانیہ سیکولر حکومتیں ایسی ہیں جن کا دہشت گردی اور مغرب مخالف پروپیگنڈہ کے سوا کوئی اہم کردار نہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ جہاں احیائی رجحانات موجود ہیں وہاں کے سارے مسلمان اس کی تائید میں نہیں۔ مذہب کو مخاصمت اور مخالفت کے لئے بطور آلہ استعمال کرنا آسان ہے مگر صحیح معنوں میں ایک اسلامی نظام کے تحت حالت جنگ کی سی پابند زندگی گزارنا دوسری بات ہے ' جسے اکثریت نہیں تو مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد پسند نہیں کرے گی۔ اسی طرح ملائشیا اور انڈونیشیاء جیسے معتدل خطوں کے اسلام کی ترکیب اس اسلام سے بالکل جدا ہے جو خیموں میں رہنے والے بدوؤں اور تیونس کے بازاروں میں نظر آتا ہے ۔ جہاں تک جنوب مشرقی ایشیاء کے ممالک کا تعلق ہے انہیں اگر معاشی بدحالی کے خلاف جنگ لڑنا ہے تو وہاں کی ملی جلی نسلوں اور مختلف عقائد کے لوگوں کے لئے باہمی تعاون کے سوا چارہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حال ہی میں افغانستان کو آزاد کرانے کے بعد افغان مجاہدین کے اہم متحارب گروہوں کو شریعت کے نفاذ یا اسلامی نظام سے بہرحال بہت کم پر سمجھوتہ کرنا پڑا ہے ۔

بایں ہمہ نو آبادیاتی حکمرانوں کی براہ راست غلامی سے نجات کے باوجود اسی نظام کے تسلسل پر بیشتر مسلمان معاشروں میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا جارہا ہے۔ لہٰذا بائیں بازو کی بعث پارٹیاں' مصر کی فوجی قومیت اور اردن کی شہنشاہیت وغیرہ سب ان احتجاجی مظاہروں سے خوف زدہ ہیں جن میں قرآن میں دئے گئے حقوق اور مذہبی روایات کے مطابق حکمرانی کا مطالبہ کیا جاتا ہے ۔

قاہرہ یونیورسٹی میں فلسفہ کے استاد ' ڈاکٹر حسن حنفی کہتے ہیں " اسلام آرہا ہے ' مگر سوال یہ ہے کہ کون سا اسلام ؟ ۔ آزاد خیال یا کٹر اسلام" اسلام آزاد خیال کیوں ہوگا؟ حضرت محمدؐ کی تعلیمات کے مطابق اسلام کی اہم اساس یہ ہے کہ معاشرہ کے تمام شہریوں کو مساوی سیاسی ' معاشی اور معاشرتی حقوق حاصل ہوں ۔ دوسرے مذاہب کی نسبت جن میں نسلی بالادستی کا تصور پایا جاتا ہے ' صدیوں سے مظلوموں اور محرموں کے لئے اسلام سب سے زیادہ پرکشش رہا ہے۔ اسلام چونکہ استحقاق کو اولیت دیتا ہے اس لئے نظری طور پر اسلام میں سیاسی لچک اور معاشی ترقی کی مضبوط بنیاد موجود ہے مگر عملاً مسلمان مغرب کی دو سو سالہ شاندار ترقی سے جبر الٹر جتنا بڑا بغض رکھتے ہیں ۔ واشنگٹن کی جارج ٹاؤن یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے پروفیسر ابراہیم اس کی یوں توجیح کرتے ہیں " مغرب کے بارے میں مسلمانوں کے ناقدانہ رویہ کے کئی اسباب ہیں۔ بہرحال یہ مذہب کی بنیاد پر نہیں ' اس کا سبب نو آبادیاتی نظام کے پیدا کردہ وہ مصائب اور مشکلات ہیں جن کی وجہ سے ہم رسواء ہو رہے ہیں۔ مغرب نے مسلمانوں کے لئے بالکل الگ معیارات معین کررکھے ہیں"

ابراہیم ایک شائستہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ فلسطینی ہے جس نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں تربیت حاصل کی مگر بحراوقیانوس کی دوسری جانب ' تیونس کے ایک وکیل ' عبدالوہاب بلوری کا نقطہ نگاہ بھی یہی ہے " نو آبادیاتی نظام سے اسلام کی تمام ثقافتی روایات نیست و نابود ہوگئیں ' میں زیادہ اسلام پسند نہیں ' کیونکہ میرے نزدیک مذاہب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ۔ اختلاف تہذیبوں کے درمیان ہے" ان کا کہنا ہے کہ چونکہ مسلمان بیرونی نظریات کی حامل کسی حکومت کو قبول کرنے پر راضی نہیں ' لہٰذا اسلام کی تمام تر محاذ آرائی "سیاسی" ہے۔

الجزائر کے پیدائشی ارکون Arkoun جو ساربون ' پیرس میں "فکر اسلامی" کے پروفیسر اور اسلامی تحریک کے باوثوق تجزیہ نگار ہیں: بتا رہے تھے کہ مسلم دنیا میں اپنی معاشرتی پس ماندگی دور کر کے دوبارہ عظمت حاصل کرنے کی تمنا کس حد تک بیدار ہو چکی ہے۔ نوجوانوں کے علاوہ بنیاد پرستی کا کہیں کوئی وجود نہیں اور یہ زیادہ تر وہ دیہاتی نوجوان ہیں جو بے روزگاری کے سبب موجودہ سیاسی نظام کے سخت خلاف ہیں۔ ان کی نگاہوں میں حضورؐ کا دیا ہوا نظام اور خلافت راشدہ کا دور ہے جو آج بھی کسی ریاست کے نظم و نسق کے لئے ایک مثالی نمونہ ہے اس کے باوجود کہ نبی اکرم کے دور کا قبائلی معاشرہ اب موجود نہیں

ارکون بہت زور دے کر کہتا ہے کہ" مسلمانوں کی روایات ' زمینیں' اخلاقی قوانین و ضابطے اور رسومات سب کھوکر رہ گئی ہیں۔ انہیں بڑے بڑے شہروں کے آس پاس جھونپڑیوں میں رہنے پر مجبور ہونا پڑا ہے اور وہ ہروقت یہ نعرے سنتے ہیں کہ ایک ایسی مستحق حکومت چاہیے جس میں کسی کو کوئی استحقاق حاصل نہ ہو " ۔ ظاہر ہے یہ ایک مختلف النوع قسم کا موضوع ہے۔ مصر' جہاں کی اپنی ایک پانچ ہزار سالہ تاریخ ہے ' انقلابی تبدیلیوں کے لئے موزوں نہیں' جتنا مثال کے طور پر الجزائر یا سوڈان کا اوپر والا نیل کے ساتھ کا علاقہ ہے ۔ سعودی عرب ' اگرچہ اپنی تیل کی دولت سے آخری حد تک تبدیلی سے ہمکنار ہوچکا ہے' کم از کم بدوی ثقافت کی حد تک اس اسلام پر قائم ہے جس کی بنیاد اٹھارہویں صدی میں سعود خاندان اور وہابی تحریک کے تعاون سے پڑی ۔

اکثر مسلمان ممالک میں بہرحال تیزی کے ساتھ نو آبادیاتی نظام کے مسلط کردہ حکمران طبقات اور ایک پارٹی سسٹم کے تحت ' سوشلزم اور نیشنلزم کے نام پر شخصی حکومتوں کے خلاف نفرت میں اضافہ ہو رہا ہے کیونکہ ان کے پاس بڑی وزنی دلیل ہے کہ ماضی میں مسلم تہذیب دنیا کے لئے روشنی کا مینار تھی تو انہیں کسی دوسری تہذیب کا اثر لینے کی ضرورت کیوں ہے۔ تقریباً ساڑھے پانچ صدیوں پر محیط ' علوم اور سیاسی بالادستی کے اعتبار سے یہ ایک سنہرا دور تھا۔ ۹۶۹ء میں مصر کے فاطمی حکمرانوں کے حکومت سنبھالنے سے اس شاندار دور کا آغاز ہوا جو تیرہویں صدی میں جاکر ختم ہوا ' اسی دور میں قاہرہ اور الازہر یونیورسٹی کی بنیاد پڑی ۔

آج اگر مسلمان سمجھتے ہیں کہ مغرب کی طرف سے ان پر زیادتی ہوئی ہے تو ان کے دور میں عیسائیت بھی تو مغلوب تھی ۔ نبی اکرمؐ کی وفات کے ایک صدی کے اندر اندر ۶۳۲ء میں مورز moors سپین کو فتح کرتے ہوئے فرانس تک جا پہنچے تھے ، جنہیں شہنشاہ فرانک ، شارلیمین کے باپ چارلس مارٹل نے کہیں ۱۴۵۳ء میں ٹورز Tours کی لڑائی میں جا کر روکا۔ ادھر عثمانی ترک قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کے بعد بلقان کے راستے ، پچھواڑے سے یورپ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ۱۶۸۳ء میں ویانا پر قبضہ کرنے میں ناکامی سے ان کے قدم رک سکے ۔ مسلمانوں کی نظر اپنے طویل دور ملوکیت پر نہیں جاتی انہیں صرف گذشتہ دو صدیوں کی یورپی مداخلت کا افسوس ہے جو کہ دراصل اسلحہ اور ٹیکنالوجی کی برتری کا نتیجہ تھی ۔ اب بھی عیسائیت حملہ آور نہیں بلکہ ثقافتی ، علمی اور سیاسی ڈھانچوں کا ایک مکمل ترقی یافتہ مجموعہ آلات ہے جس کے تیز بہاؤ کی زد میں خواہی نخواہی ہر معاشرہ آرہا ہے۔ سرمایہ داری نائٹ کلب اور جنسی فلمیں اس شدید حملے کا صرف ایک حصہ ہیں ۔ ان سب سے کہیں زیادہ خطرناک عقلیت پسندی پر مبنی وہ ذہنی تانا بانا ہے جس کا آغاز یورپ میں سترہویں صدی میں ہوا اور اسلامی ثقافت کے بارے میں تمام روائتی تصورات کی نفی کی ۔

چنانچہ ---- مراکش کے پروفیسر محمد الجبری کہتے ہیں " ہم مسلمان آج چودھویں صدی کے ثقافتی دور میں جی رہے ہیں لہٰذا ہمیں کوئی "ڈیکارٹ" " راجر بیکن" ، ابن خلدون ، اور کارل پاپر درکار ہے"

مغربی دنیا اسلامی تحریک کو "بنیاد پرستی" کا نام دیتی ہے اور سمجھتی ہے کہ صرف بم پھینکنا ، بغاوت ، ہاتھ کاٹنا اور زانی کو سنگسار کرنا ہی اصل اسلام ہے ۔ صرف یہی اسلام نہیں ہے اور نہ ہی خود روشن خیال مسلمان ایسا سمجھتے ہیں ۔ بلکہ قرآن کا پیغام در حقیقت پوری نوع انسانی کے لئے ہے ۔ ارکون کہتے ہیں "بہت سارے مذاہب بلیغ علامات ، استعاروں اور تصورات کا استعمال کرتے ہیں جن کے ایک سے زیادہ مفہوم لئے جاسکتے ہیں ۔ مذہب کا کام دراصل ضابطہ قانون دینا نہیں ہوتا ۔ قانون کا معاملہ تو یہ ہے کہ اس کے اپنے کسی مفہوم کے بارے میں سوال پیدا ہو سکتا ہے "۔

ایک حد تک یہ مسئلہ نبی اکرمؐ کی زندگی میں ہی پیدا ہوگیا تھا ۔ ۶۲۲ء میں مکہ سے مدینہ ہجرت کے بعد انہیںؐ ایک معاشرہ کی دیکھ بھال کا کام بھی کرنا تھا جس میں چند سو مردوں اور عورتوں کے روز مرہ کے مسائل اور قبائلی جھگڑے وغیرہ شامل تھے۔ اسلامی معاملات کے معزز فرانسیسی سکالر میکسم راڈنسن کہتے ہیں " عیسائیت نے ایک چھوٹے سے فرقے کی شکل میں پوری طرح منظم ایک (رومن) سلطنت میں جنم لیا ، اس کے برعکس اسلام کا آغاز ایک ایسی سرزمین سے ہوا ، جہاں کوئی حکومت نہ تھی " مگر ارکون کہتے ہیں " مدینہ کا سنہری زمانہ ایسا ہے جس کے مقابلے میں دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا سیاسی نظام پیش نہیں کیا جاسکتا اور آج تک ایک بھی ریاست اسلام کے نصب العین پر پورا نہیں اتر سکی اور نہ ہی آئندہ کبھی ایسا ہو سکے گا"۔

اسلامی فکر آج ایک بند ضابطے کی مانند ہے جس پر کوئی تبصرہ یا بحث کرنا ممکن نہیں کہ اس الہامی کلام کا عام مفہوم کیا ہے۔ ایک ہندوستانی نام نہاد مسلمان مصنف سلمان رشدی نے "شیطانی مصرعے" نامی ناول لکھ کر قرآن کے الہامی ہونے کا مسئلہ کھڑا کردیا ۔ اسلام کی اساس پر حملہ ایک ایسا ناقابل معافی جرم ہے جسے ایک عام دیہاتی مسلمان بھی ، جس کا عموماً کسی نظریہ یا مذہبی رسومات سے کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا ، برداشت نہیں کرتا۔ مسلمانوں کے نزدیک رشدی نے اسلامی ثقافت کو کم تر ثابت کرنے کی کوشش کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے ۔

اسلام در حقیقت اتنا ہی آفاقی ہے جتنی عیسائیت اور اگر خلوص سے کام کیا جائے تو اس سے دنیا کو رہنمائی اور مشکلات سے دو چار لوگوں کے لئے فراخ دلانہ ہمدردی حاصل ہوسکتی ہے ۔ ایک بھارتی مسلمان سکالر ، امتیاز احمد جو نئی دہلی کی جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے منسلک ہیں ، اسلامی سزاؤں سے متعلق ایک مختلف زاویہ نگاہ پیش کرتے ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ "اسلامی قوانین مکی اور مدنی قرآن میں الگ الگ ہیں ۔ مکہ میں نبی اکرمؐ کی جدوجہد بقاء کے لئے تھی اس لئے قوانین بھی سخت تھے ، جبکہ مدینہ میں بطور ایک حکمران ، اقلیتوں اور دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری کا معاملہ کیا گیا ۔ مسلمانوں کے نزدیک مدینہ ایک مثالی ریاست تھی مگر قوانین مکی دور کے سامنے لائے جاتے ہیں "۔

ایک مکمل نظریہ ہونے کے باوجود ملا اسلام کے کئی چہرے ہیں مثلاً اکثر سنی حضرات ایران کی شیعہ حکومت کو اسلامی نہیں سمجھتے۔ مذہبی اختلاف کے علاوہ وہ "سرکاری" علماء بھی اس کا ایک سبب ہوسکتے ہیں جو سنی حکومتوں کے زیر اثر ہوتے ہیں ۔ اسی طرح اکثر مسلمان خلوص نیت سے خلافت عثمانیہ کے دور کی طرح سیاست اور مذہب کے یکجا ہونے کے قائل ہیں جبکہ عرب اسے ایک سامراجی حربہ سمجھتے ہیں ۔

ایک بھارتی ممبر پارلیمینٹ سید شہاب الدین کا خیال ہے کہ "اسلام کی لہر تو ضرور آئے گی مگر بالاخر یہ ایک اعتدال پسند اسلام ہوگا۔ اسلام اور مغربی دنیا کے چودہ سو سالہ تصادم کے نتیجہ میں ایک مشترکہ تہذیب وجود میں آئی ہے "---

تیونس کی اسلامی پارٹی کے راہنما راشد غنوچی ، جو النہضہ کے نام سے مشہور ہیں ، کم و بیش وہی بات کہتے ہیں جو مغرب والے محسوس کرتے ہیں یعنی وہ مذہب کو جمہوریت کے لئے " ایک مشترک ثقافتی مرکز" قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "برطانیہ یا امریکہ میں کوئی بھی پارٹی ہو ان کے بنیادی

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

صحت یابی کے لئے دعا کی درخواست

جناب وارث خان امیر تنظیم اسلامی پشاور و کنوینر تحریک خلافت حلقہ پشاور پچھلے دنوں ایک ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوگئے تھے ۔ تمام رفقاء تنظیم اور معاونین تحریک سے ان کی جلد صحت یابی کے لئے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے--- (ادارہ)

منفرد نوعیت کے ایک سیمینار کی مختصر روداد

مرتبہ: ریاض الحق

سیاست خلافت

دور خلافت راشدہ کے سیاسی نظام اور عہد حاضر میں نظام خلافت کا موازنہ

امیر تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد جو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے صدر مؤسس بھی ہیں' علاوہ اور بہت سی باتوں کے' اس اعتبار سے بھی بجا طور پر بالکل منفرد حیثیت کے مالک سمجھے جاتے ہیں کہ اپنا فکر و فلسفہ اپنے ساتھیوں پر ٹھونسنے اور پھر "بادمخالفت" سے محفوظ کرنے کے لئے ان پر عصبیت کا خول چڑھائے رکھنے کے قائل نہیں۔ وہ سمجھتے اور برملا کہتے بھی ہیں کہ جو شخص میری بات مانے' بربنائے بصیرت مانے اور جو رد کرے وہ بھی --- لیکن خیر مخالفین پر کس کا زور چلتا ہے' وہ تو اپنی سی کرنے میں بہرحال آزاد ہیں۔

جمعہ ۱۷ر جولائی کو قرآن آڈیٹوریم میں "سیاست خلافت" پر ایک مذاکرے کا اہتمام ڈاکٹر اسرار کے اسی رویے کا اظہار تھا۔ روزنامہ نوائے وقت میں ۲۹ر مئی اور ۵ر تا ۱۱ر جون "تفکر و تذکر" کے زیر عنوان شائع ہونے والے ان کے دو مضامین کو یکجا پمفلٹ کی شکل میں شائع کر کے ان چند علمائے کرام کی خدمت میں ارسال کیا گیا جو کسی نہ کسی رنگ میں خلافت کی بات کرتے ہیں اور کچھ دانشوروں کو بھی بھیجا گیا جن سے مثبت یا منفی رد عمل کی توقع تھی اور اس کے ساتھ ان میں سے کچھ منتخب حضرات کو دعوت دی گئی کہ مذاکرے میں تشریف لا کر اس سوچ پر تنقید کریں (بلکہ اجازت تنقیص کی بھی تھی) جو ڈاکٹر صاحب موصوف نے دور خلافت راشدہ کے سیاسی نظام اور عہد حاضر میں اسلامی ریاست یا نظام خلافت کے سیاسی ڈھانچے میں فرق و تفاوت کے موضوع پر متذکرہ مضامین میں پیش کی ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ گیارہ مدعوئین میں سے نو نے سیمینار کو رونق بخشی اور صرف ممتاز قانون داں جناب محمد اسماعیل قریشی اور معروف عالم دین مولانا سعید الرحمن علوی کسی وجہ سے تشریف نہ لا سکے۔ اس مذاکرے کی مختصر رپورٹ پیش خدمت ہے۔ (مدیر)

سیمینار کا آغاز ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سورۂ نور کی آیت نمبر ۵۴ اور ۵۵ کی تلاوت اور مسلمانوں کے سیاسی ادوار کے بارے میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی حدیث نبویؐ کے بیان سے کیا۔ آپ نے سورۂ نور کی آیات کے حوالے سے بتایا کہ مسلمانوں کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر وہ ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کریں گے تو وہ ان کو زمین میں ضرور غلبہ عطا فرمائے گا۔ حدیث مبارکہ کے حوالے سے انہوں نے واضح کیا کہ مسلمانوں پر پانچ دور آئیں گے' پہلا دور نبوت کا ہے' دوسرا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا' تیسرا کٹ حجنی بادشاہت کا' چوتھا استبدادی بادشاہت کا اور آخری دور پھر ساری دنیا پر اسلام کے غلبے کا دور ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب نے معین کیا کہ اس وقت ہم چوتھے اور پانچویں دور کے درمیان کھڑے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آج کے سیمینار کا موضوع یہ ہے کہ نظام خلافت کا انتظام وانصرام کیسے ہوگا۔ اس میں سیاست کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن یہ کوئی برا لفظ نہیں کیونکہ ایک حدیث میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے جس میں فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل میں انبیاءؑ ان کی سیاست کیا کرتے تھے یعنی قوم کا نظم نسق سنبھالتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے تمام مہمان مقررین کا اس بات پر شکریہ ادا کیا کہ وہ ہماری دعوت پر ان خیالات پر تنقید و تائید کے لئے تشریف لائے ہیں جو ہم ملک کے فہیم عناصر کی توجہ کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ ہم نے اپنا راستہ علیٰ وجہ البصیرت اختیار کیا ہے اور ہمارے رفقاء بھی اندھے مقلد نہیں بلکہ سوچ سمجھ کر وہ ان کے ساتھ آئے ہیں۔ ان کے سامنے اپنے نظریات پر تنقید و تائید کو بھی ہم تائید ہی سمجھتے ہیں کیونکہ ہم ان کی سوچ کی راہیں کھلی رکھنا چاہتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد سٹیج سیکرٹری کے فرائض قرآن اکیڈمی کے اعزازی ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر ابصار احمد نے سنبھالے اور سب سے پہلے جامعہ پنجاب کے شعبہ صحافت کے ڈاکٹر اے آر خالد کو دعوت خطاب دی۔

ڈاکٹر اے آر خالد نے کہا کہ نظام خلافت یا نظام اسلام نیا بھی ہے اور پرانا بھی' اہم بھی ہے اور غیر اہم بھی' واضح بھی ہے اور غیر واضح بھی۔ نیا اس لئے کہ اس کی پوری تشہیر کے باوجود اکثر ذہن اس سے خالی ہیں' پرانا اس لئے کہ یہ چودہ سو سال پہلے قائم ہو چکا ہے۔ اہم اس لئے ہے کہ ہم ہر وقت اسلامی نظام کے نفاذ کی ضرورت پر زور دیتے ہیں اور غیر اہم اس لئے کہ ہم نے کبھی اس کو نافذ نہیں کیا۔ واضح اس لئے ہے کہ اس کی ہر چیز اور شعبہ (پہلو) ہمارے سامنے ہے' غیر واضح اس لئے کہ یہ ہم پر کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے جس کے لئے ہم تیار نہیں ہوتے۔

پاکستان بننے کے بعد دستور ساز اسمبلی نے اسلام کو ایک نظام کے طور پر نافذ کرنے کی قرار داد کو منظور کرنے میں بہت وقت لیا۔ پھر وہ دستور

ساز اسمبلی توڑ دی گئی ۔ قرار داد مقاصد مارچ ۱۹۴۹ کو منظور ہوئی ۔ اس قرار داد میں واضح طور پر موجود ہے کہ حاکمیت اللہ کی ہوگی اور قانون کتاب و سنت کے مطابق ہوگا ۔ دوسرے حصے میں یہ کہا گیا کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کے اصولوں کے مطابق ڈھال لیں ۔ یہ دونوں باتیں نظام اسلام کا مکمل خاکہ ہیں لیکن اس شق کو صرف دیباچے کے طور رکھا گیا اور دستور العمل (Operative Clause) کبھی نہیں بنایا گیا ۔

ہمارے حکمرانوں نے اپنا ایک خاص رویہ اپنائے رکھا ' وہ صرف دوسروں کے عیوب تلاش کرتے تھے اور اپنی تمام کمزوریوں کا الزام دوسروں پر دیتے رہے ۔ ان پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اصطلاح میں بہیمیت کا غلبہ تھا ۔ انہوں نے بہانہ بنایا کہ دینی قوتیں منتشر ہیں ۔ مسلمانوں میں بہتر فرقوں کی جو بات مشہور کی گئی ہے اس کی حقیقت ناقابل سمجھ ہے ۔ خلیفہ عبدالحکیم کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں بہتر فرقے ہیں لیکن آج تک کوئی بارہ سے زیادہ نہیں گن سکا ۔ یہ مسلمانوں میں ایک بات ہے جو پھیلائی گئی ہے کہ انتشار قائم رہے۔

انہوں نے حوالہ دیا کہ بیگم شائستہ اکرام اللہ نے کہا تھا کہ کسی مسلم اکثریت کے ملک میں قرار داد مقاصد کا پاس ہوجانا کوئی کارنامہ نہیں ' اصل کارنامہ اس نظام کو نافذ کرنا ہے ۔ پھر مقرر نے فرمایا کہ انتخابات سے خلافت کی منزل قریب نہیں آئے گی ۔ ہمیں اپنے اندر اختلافات رکھنے کے باوجود اشتراک عمل پیدا کرنا چاہیے جیسے کہ قائداعظم اور علامہ اقبال نظریات کا اختلاف رکھنے کے باوجود اشتراک عمل میں کوشاں تھے ۔ آپ اس وقت جو کررہے ہیں وہ چھوڑ دیں تو تبدیلی آجائے گی ۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی بہت تعریف فرمائی کہ انہوں نے خلافت کی بات شروع کی ہے ۔ ڈاکٹر اے آر خالد کے خیالات جو ایک مقالے کی شکل میں تھے ' بہت سراہے گئے لیکن واضح طور پر یہ بھی محسوس کیا گیا کہ انہوں نے مذاکرے کے اصل موضوع پر گفتگو نہیں کی ۔

دوسرے مقرر عالمی خلافت اسلامیہ کے ایک نقیب مولانا خورشید احمد گنگوہی تھے ۔ انہوں نے کہا کہ خلافت کا نفاذ دین کی ایسی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ اگر پوری امت اسے چھوڑ دے تو اہلسنت کے عقیدے کے مطابق پوری امت گناہ گار ہوگی ۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ کرم ہے کہ انہوں نے پوری امت کو گناہ گار ہونے سے بچالیا ہے ۔ اس تمہید کے بعد انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ " اس دور کی خلافت ' خلافت راشدہ کا چربہ یا کاربن کاپی نہیں ہوگی " جس سے انہیں اختلاف ہے ۔ بقول ان کے خلافت کے دور کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ' ایک مقامی عنصر اور ایک بین الاقوامی پہلو ۔ دور خلافت راشدہ دور نبوت کا تتمہ تھا اور خلافت راشدہ دور نبوت کے تحت پروان چڑھی ۔ اب جو مقام شیخین کو حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتا' اسی طرح جو مقام عشرۂ مبشرہ کا یا بدری صحابہ کا ہے وہ کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا ۔ چنانچہ مقامی لحاظ سے خلافت چربہ نہیں ہوسکتی لیکن کسی بھی نظام خلافت کے لئے اصول خلافت راشدہ سے ہی حاصل کرنا ہونگے اور اجتہاد بھی کرنا ہوگا تو اسی دور کو سامنے رکھ کر کرنا ہوگا ۔

دوسرا اختلاف جو مولانا نے ظاہر کیا یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے کہ خلیفہ کا انتخاب عام مسلمان کریں گے ' جبکہ یہ موقف ان کی رائے میں اجماع امت کے سراسر خلاف ہے ۔ قرآن میں اس کا ثبوت نہیں ۔ خلیفہ کا انتخاب ارباب حل و عقد کے ذریعے ہوا ہے ۔ تاہم اس بات میں کلام ہوسکتا ہے کہ ارباب حل و عقد کون ہوں اور ان کو کیسے متعین کیا جائے ۔ یہ بات عام انتخابات کے ذریعے بھی ہوسکتی ہے لیکن جب ارباب حل و عقد منتخب ہوجائیں گے تو پھر وہ خلیفہ کا انتخاب کریں گے چنانچہ یہ نظام پارلیمانی نظام کے قریب ہے صدارتی نظام کے نہیں۔

تیسرا نکتہ انہوں نے یہ اٹھایا کہ خلافت کے نظام کا آغاز صرف پاکستان سے نہیں ہوگا بلکہ خلافت ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں وحدت امت کا تصور موجود ہے ۔ خلافت کے مختلف ادوار میں سیاسی حالت کیسی بھی رہی ہو لیکن ہر دور سیاسی وحدت کا دور تھا ۔ خلافت کے تصور کو جغرافیہ کے ساتھ منسلک نہیں کرنا چاہیے ورنہ ہر ملک اپنی علیحدہ تحریک خلافت بنائے گا۔

آخر میں انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب پر اللہ کا خاص فضل و کرم ہے کہ جو کام امت کے بڑے بڑے لوگوں کو کرنا چاہیے تھا وہ ڈاکٹر صاحب کررہے ہیں ۔ یہ خالص اللہ کا انتخاب ہے ۔ مجھے ان کی اخلاص پر مبنی جدوجہد پر شک نہیں ۔ میں ان کی عظمت کو سلام کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے نظریات کو بلا کسی ذہنی تحفظ کے ارباب علم و دانش کے سامنے رکھا اور انہیں اظہار خیال کی دعوت دی ہے ۔

خلافت اسلامیہ کی دعوت دینے والے ایک اور عالم دین حافظ عبدالرحمٰن مدنی صاحب کو دعوت خطاب دی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ خلافت کا لفظ اس قدر مبارک ہے کہ اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہوسکتا لیکن خلافت کے لئے نمونہ بہرحال خلافت راشدہ ہے ۔ حضورؐ کی ایک حدیث کے مطابق مسلمانوں میں بارہ خلفاء ہونگے اور سب کے سب قریش سے ہوں گے تاہم خلافت راشدہ اور خلافت میں فرق ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک نیکو کار اور ایک گناہ گار مسلمان کے درمیان فرق ہوتا ہے ۔ ان کا کہنا تھا کہ خلافت نبوت کا نتیجہ نہیں ہے اور اجتہاد اسلام کے دائرے سے باہر آنے کا نام نہیں بلکہ اسلام کے دائرے کے اندر اور اسلام کی وسعتوں کے اندر رہ کر جدید مسائل کو حل کرنے کے طرز عمل کا نام ہے ۔ ہمیں امریکہ کے صدارتی نظام سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے ۔ آج کی جمہوریت فراڈ ہے ۔ خلافت کا نظام بیعت پر ہے جو اللہ کے ساتھ کسی انسان کے واسطے سے ہوتی ہے ۔ اس میں ایک آدمی بھی بیعت کے بغیر نہیں رہ سکتا جبکہ ووٹ کا نظریہ اس کے برعکس ہے ۔

انہوں نے کہا کہ امیدواری اسلام میں نہیں ہوسکتی بلکہ نمائندگی ہوگی ۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم موجودہ حالات کی مشکلات سے گھبرا کر آج کل کے نظام میں کچھ پیوند لگا کر اسے اسلامی بنانے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ نظام خلافت میں اطاعت الٰہی کا تصور ہے ۔ چونکہ اقتدار تو پہلے ہی اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لئے اطاعت الٰہی ضروری ہے ۔ اسی طرح خلافت میں امانت کا تصور ہے ۔

حافظ صاحب کی خالص اختلافی تقریر سامعین نے پورے صبر و سکون اور توجہ کے ساتھ سنی جس کے بعد ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ صاحب کو دعوت کلام دی گئی جو درحقیقت ان کے لئے ایک زحمت سے کم نہ تھی ۔ وہ علالت کے باعث بہت کمزور ہوچکے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کا اس محفل کو رونق بخشنا جذب دروں کی علامت ہے ۔ ڈاکٹر گورایہ نے کہا کہ ہماری تاریخ میں بادشاہوں کو

بھی خلیفہ کہا جاتا رہا ہے ۔ بنو امیہ ' بنو عباس' مغل وغیرہ ملوک تھے ۔ خلافت کا نظام مسلمانوں کا خود تیار کردہ نہیں بلکہ قرآن اور سنت سے ماخوذ ہوگا۔ انہوں نے کھجوروں کے واقعہ کے حوالے سے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اگر تمہارا یہ عمل لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے تو ان کو یہ کرتے رہنا چاہیے اور میرے ظن کی وجہ سے میرا مواخذہ نہیں کرنا چاہیے ۔ ہاں جو چیز میں اللہ کی طرف سے پیش کروں ان کو اس پر عمل کرنا ہوگا ۔ انہوں نے حوالہ دیا کہ آج کے دور میں مخالفت اور بغاوت میں فرق ہے ۔ مخالفت کا مطلب نظام کی یا ریاست کی مخالفت نہیں ۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن کے بہت سے اصولوں کو مغرب والوں نے لے لیا اور اس پر عمل کیا ۔

اگلے نمبر پر مائیک سنبھالنے والے صاحب طرز مقرر و انشا پرداز جناب خورشید احمد گیلانی تھے جن کا خطاب سامعین پر سحر کا سا اثر چھوڑتا ہے ۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے خوشی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے خرچ پر مقررین کو تنقید کرنے کے لئے بلایا ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے کہ اسلام کے اولین زمانے میں ریاست اور حکومت کے درمیان فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ لوگ آج بھی اسی ٹھنگی کی سطح پر ہیں ۔ ہر سیاست دان کہتا ہے کہ اس کے خلاف بولنے والا ریاست کا غدار ہے اور ہر مولوی کہتا ہے کہ وہ خود دین ہے اور اس کی ذات کے خلاف بولنے والا کافر ہے ۔ ہم لوگ مبادلہ خیال کی بجائے مناظرہ خیال میں ملوث ہوجاتے ہیں ۔

خلافت کے ختم ہونے کے بعد اب ہر مسلمان تسلیم کرے گا کہ وہی خلافت غنیمت تھی ۔ مادی خوشحالی تو کیا آنی تھی ' ہمارا روحانی ورثہ بھی چھن گیا ہے ۔ اب ان مسائل پر کھل کر بات کرنے کی ضرورت ہے ۔ ان باتوں پر غور ہو کہ اسلام میں سیاسی جماعتیں کیسے ہوں کیونکہ انصار اور مہاجرین سیاسی گروہ نہیں تھے۔ اسلام میں اگر جماعت سازی قطعاً" ممنوع نہیں تو مستحسن بھی نہیں ۔ اس کے علاوہ خلافت کا طریقہ کار قبل از وقت پوری طرح واضح نہیں کرنا چاہیے ' اس سے انتشار پھیلے گا ۔ یہ بات کہ نظام خلافت سیاسی طور پر صدارتی وفاقی نظام سے قریب ہے ' مجھے صحیح معلوم ہوتی ہے لیکن پرسنل لا اور پبلک لا کی تقسیم فرقہ بازی کو جنم دے گی ۔ مسلمان اگر انگریزی قانون کو مان سکتے ہیں تو کسی دوسرے مسلمان مذہب کو کیوں نہیں مان سکتے۔

اب سٹیج سیکرٹری نے اپنے روایتی سیاہ جبہ و قبا میں ملبوس شیعہ عالم دین جناب سید ہادی علی نقوی سے اظہار خیال کی درخواست کی جس کے جواب میں انہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز اس حدیث سے کیا جس میں فرمایا گیا کہ اسلام کسمپرسی کی حالت میں شروع ہوا اور آخری دور میں بھی اسی حالت میں چلا جائے گا ۔ انہوں نے سورۂ نور کی آیت نمبر ۵۴ کے حوالے سے کہا کہ اللہ ان لوگوں کو ضرور تمکن عطا کرے گا جو صحیح مومن ہونگے ۔ صرف جہد مسلسل سے اس معیار کی حکومت قائم ہوگی جس میں قرآن کی بالادستی ہو ۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ یہ آواز سب سے پہلے پاکستان میں بلند ہوئی ہے ۔ نبی اکرمؐ کی ایک حدیث ہے کہ میرے خاندان کا ایک آدمی جو میرا ہم نام ہوگا ' خلافت قائم کرے گا لیکن اس سے پہلے اس کے لئے بہت جدوجہد ہوگی ۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے کتابچے سے اختلاف ہوسکتا ہے انکار نہیں ہوسکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں تمہارے لئے کتاب اور سنت چھوڑ کر جارہا ہوں جو تمہاری رہنمائی کرے گی ۔ انہوں نے اپنی زندگی میں بار بار حضرت علیؓ کو خلیفتی اور وصیتی کہا یعنی حضرت علیؓ کا نام لے کر ان کو خلافت پر فائز کیا لیکن بعد میں امت نے اس کے خلاف عمل کیا اور اس ہدائت سے بھی روگردانی کی کہ خلافت بنو ہاشم میں رکھی جائے ۔

قانون سازی کا کام اسمبلی کے سپرد نہیں ہوگا بلکہ ایک مجلس ملی کے سپرد ہوگا جس کی رکنیت کے لئے ایک معیار مقرر کیا جائے گا ۔ وہ لوگ قرآن سنت سے استنباط میں ماہر ہونگے ۔ پرسنل لاء اور پبلک لاء کی علیحدگی میرے لئے ایک غیر معروف تصور ہے ۔ ایران میں بھی ریاست کا مذہب اسلام ہے ۔ میں ڈاکٹر صاحب کے باقی تمام نظریات کی حمایت کرتا ہوں اور ان کی ہر طرح کی نصرت کے لئے حاضر ہوں ۔ اس سلسلے میں باقاعدہ ایک دعوت الی الخلافہ تیار کی جائے پھر اسے سب علماء کو بھیجا جائے کہ وہ مدد یا تعاون کریں یا پھر انکار کردیں۔

حنیف رامے صاحب کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی تو سامعین ہمہ تن گوش ہوگئے کیونکہ ان دنوں رامے صاحب کے بعض بیانات پر علمائے دین کی طرف سے شدید رد عمل کا اظہار کیا جارہا ہے ۔ انہوں نے اپنے مخصوص دھیمے اور نپے تلے انداز میں بات شروع کی اور کہا کہ اللہ صرف مسلمانوں کا رب نہیں بلکہ ساری انسانیت کا رب ہے ' رب العالمین ہے اور رب الناس ہے ' اس کے نبیؐ صرف مسلمانوں کے نبی نہیں بلکہ ساری انسانیت کے نبی ہیں ۔ اگر خلافت نے تمام جہانوں پر پھیلنا ہے تو وہ کسی چیز کا تتمہ نہیں ہوسکتی ۔ یہ ہماری اور ڈاکٹر صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام لوگوں تک اس نظام کو پہنچائیں۔

انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب پر آفرین ہے کہ انہوں نے وہ بات کی ہے جو بابائے جمہوریت بھی کرنے کی جرات نہیں کرسکے ۔ یہ انہی کا اعزاز ہے کہ فرسودہ ' جاگیردارانہ اور انسان دشمن نظاموں کے خلاف آواز اٹھائی ۔ سب انسانوں کا فرض ہے کہ وہ آپ کا ساتھ دیں۔

انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کی یہ بات بھی بہت اچھی ہے کہ انہوں نے اسلام کو روح عصر کے ساتھ ملانے کی کوشش کی ہے لیکن اس پر ایک طبقہ ضرور کھڑا ہوجائے گا جو کہے گا کہ یہ اسلام سے انحراف ہے ۔ اللہ نے خود "عصر" کی قسم کھائی ہے اور فرمایا کہ زمانے کو گالی نہ دو کیونکہ زمانہ میں خود ہوں ۔ اللہ آپ کو آپ کے کام میں استقامت عطا فرمائے ۔ روح اسلام کو اگر روح عصر کے ساتھ ہم آہنگ نہ کیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ اسلام ختم ہوگیا۔ حالانکہ نبوت جاری ہے ' قرآن جاری و ساری ہے اور نافذ العمل ہے۔ ہمیں زمانے کے ساتھ بلکہ اس کے اوپر سوار ہو کر چلنا ہوگا تاہم یہ بات یاد رکھیں کہ آپ جتنی بڑی امیدیں دلائیں گے ' اگر ناکام ہوگئے تو اتنی ہی بڑی نامرادی ہوگی ۔ پھر دیکھتے رہیں کہ اگر آسانیاں ہی آسانیاں ہیں اور کوئی مشکل پیش نہیں آرہی تو کہیں معاملہ غلط ہوگیا ہے ۔ پھر لوگوں سے پوچھنے کی بجائے اپنے ضمیر سے پوچھیں اور رسولؐ سے پوچھیں ۔ اللہ نے کہا کہ دین مکمل ہوگیا حالانکہ اس وقت نہ خلافت تھی نہ امامت تھی ۔ انسانوں پر رحمت کی بات بھی کریں ۔ پھر سوچیں کہ کیا اسلام نے اسلامی ریاست پر اتنا ہی زور دیا ہے جتنا کہ آپ دے رہے ہیں ۔ کیا اسلامی معاشرے کے ساتھ سیکولر سٹیٹ بھی ہوسکتی ہے ۔ سیکولر سٹیٹ سے مراد ہے غیر فرقہ ورانہ سٹیٹ ۔ جیسے کہ بنی اسرائیل نے نبی سے کہا

'خبر کشائی'

میم سین

○ قانون مکافات عمل میں آتا ہے تو کسی کو پناہ نہیں ملتی (عظیم احمد طارق)

☆ آپ کے اپنے موجودہ حالات خود اس بات کے شاہد ہیں۔

○ ملٹری کی نرسوں اور پی آئی اے کی ایئر ہوسٹسوں کی شادی پر عائد پابندی سپریم کورٹ نے معطل کردی (ایک خبر)

☆ سپریم کورٹ بھی فیڈرل شریعت کورٹ کے نقش قدم پر چلنے لگی ہے۔ حکومت کے لئے ایک لمحہ فکریہ!

○ خواتین کو جائیداد میں حصہ دلانے کے لئے قوانین میں ترمیم کی جائے (سپریم کورٹ)

☆ آزادی نسواں کے علمبرداروں کے پاس کرنے کے لئے اب کیا رہ جائے گا۔

○ سندھ موجودہ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی شکار گاہ بن گیا ہے (قائم علی شاہ)

☆ لیکن یہ ہما شکار نہیں ہوتا، خود ہی کسی کے سر پر آبیٹھتا ہے۔

○ صفائی ستھرائی کے لئے فیملی پلاننگ اور سب کا احتساب ضروری ہے، ہم نے تماشا دیکھو پالیسی اختیار کرلی ہے (پیرپگاڑہ)

☆ اے موج تلاطم ہلکے سے دو چار تھپیڑے ان کو بھی۔ کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفاں کانظارہ کرتے ہیں۔

○ صدر قوم کو بچانے نہ آئے تو پھر کوئی اور آئے گا (غلام مصطفیٰ کھر)

☆ کوئی آئے نہ آئے، آپ للہ نہ آئیے گا!

تھا کہ ہمارے لئے بادشاہ بنادو۔ معاشرے اور ریاست کو دو علیحدہ تشخص حاصل ہوں۔

پھر نظام خلافت میں عورتوں کو یہ سمجھ کر زندہ در گور نہ کردیا جائے کہ وہ مرد کو گناہ پر اکساتی ہیں۔ یہ قرآن کے نظریہ کے خلاف ہے۔ عورت نے مرد کو یا حوا نے آدم کو گناہ پر نہیں اکسایا۔ اسی طرح اقلیتوں کے حقوق کا خیال رکھا جائے اور برابر کے حقوق دئے جائیں۔ اصل دشمن وہ نہیں بلکہ مترفین اور جاگیردار ہیں۔ اقلیتوں کو قانون سازی میں شامل کیا جائے۔ اس طرح لوگ سرمایہ داری اور سوشلزم سے بھاگ کر نظام خلافت میں آجائیں گے۔ امید داری ایک مقام پر جائز ہوجاتی ہے جیسے کہ حضرت یوسف علیہ اسلام نے کیا۔

ممتاز قانون داں اور مرحوم صدر ضیاء الحق کی مجلس شوریٰ کے ایک رکن جناب سید معین الدین شاہ تحریک خلافت پاکستان کے باقاعدہ معاون ہیں لیکن اس فورم سے انہیں بھی تردید و تائید کی یکساں آزادی تھی۔ انہوں نے سٹیج سیکرٹری کی دعوت کے جواب میں اپنی خوبصورت تقریر میں کہا کہ ہر چیز کی ایک تدریج ہوتی ہے اس لئے نظام خلافت کو پاکستان سے شروع ہونے دیں ابتدا City State سے کریں اور لمبی چھلانگ نہ لگائیں۔ نظام خلافت کے بارے میں اب کھل کر بات چیت ہونی چاہیے۔ معاشرہ چونکہ ریاست کے ماتحت ہوتا ہے اس لئے اس کے بغیر معاشرہ آزادی سے نہیں چل سکتا لیکن ریاست کا مطلب ہے نظم و نسق۔ ایک مرکز مانیں گے تو کوئی دائرہ کھینچ سکیں گے۔ اسلام میں جغرافیائی حدود کی نفی ہے۔ اسلام ایک قومیت پیدا کرتا ہے جس کا جزنک نام امت مسلمہ ہے۔

انہوں نے کہا کہ اقلیتوں کو دوسرے درجے کے شہری قرار نہیں دیا جانا چاہیے ورنہ وہ مملکت کی جڑیں کھودنے میں مصروف رہیں گے۔ خلافت ایک پابند قانون حکومت ہوتی ہے۔ کسی فرد کو بھی مطلق آزادی نہیں۔ اسی طرح کسی بھی Immunity یا احتساب سے بالاتری حاصل نہیں جبکہ خود حضورؐ نے کہا کہ اگر میں نے کسی سے زیادتی کی ہو تو وہ بدلہ لے لے۔

سیمینار کے آخری مقرر پاکستان کی عدالت عظمیٰ کے سابق چیف جسٹس جناب شیخ انوار الحق تھے جنہوں نے اب تک کے سب مقررین کو بہت غور سے سنا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی انتظامی صلاحیتوں کا ثبوت ہے کہ اتنا بڑا ہال تعمیر کروایا اور پھر اس میں ایسا پروگرام بھی ترتیب دیا۔ ہمارا اپنی قوم، اللہ اور شہدا سے وعدہ ہے کہ ہم اسلامی نظام قائم کریں گے۔ عام مسلمان بھی اسلامی نظام چاہتا ہے۔ ہمیں اپنے ذہنوں کو صاف کرنا چاہیے کہ ریاست کا کیا تصور ہے۔ اقلیتوں کے تصور میں اجتہاد کی ضرورت ہے اور ڈاکٹر صاحب خود ہی اجتہاد کے اہل ہیں۔ ان سے بڑھ کر کوئی کیا ہوگا۔ اقلیتی قوموں نے ہماری افواج اور دوسرے شعبوں میں خدمات انجام دی ہیں۔ وہ اسلامی قوانین کی بھی حمایت کرتے ہیں۔ اسی طرح آبادی کا پچاس فی صد عورتیں ہیں ان کے حقوق پر بھی نظر ثانی ہونی چاہیے۔ نظام خلافت میں ہر انسان کی برابری اور احترام آدمیت پر زور دیا جائے۔ ہم مسلسل اس وعدے کو یاد رکھیں اور اس کے لئے جدوجہد کریں کہ ہم نے قیام پاکستان کے وقت اسلامی نظام نافذ کرنے کا عہد کیا تھا۔

سیمینار کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سب مہمان مقررین کا خصوصاً اور سامعین کا عموماً شکریہ ادا کیا اور تمام احباب کو ۱۴ر اگست کی تاریخ نوٹ کرائی جب اسی موضوع پر اسی جگہ دوسرا سیمینار ہوگا۔ ضمناً" ڈاکٹر صاحب نے اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے بات کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو نیچے ہو کر رہنا پڑے گا۔ انہیں مساوی سیاسی حقوق ہرگز نہیں دئے جاسکتے۔ جزیہ بطور ایک ٹیکس کے انہیں دینا ہوگا جبکہ مسلمانوں سے زکوٰۃ و عشر کی صورت میں وصولی ہوگی جس سے غیر مسلم مستثنیٰ ہیں۔ اسلامی ریاست ان کے شہری حقوق اور ان کی ہر طرح حفاظت کی ذمہ داری کے عوض جزیہ لے گی اور

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

بقیہ خطوط آپ کے

گے کہ آئی جے آئی کے حمائتی ہیں اور پی پی پی کے مخالف ۔ بصورت دیگر اگر ڈاکٹر صاحب ملکی سلامتی کے پیش نظر آئی جے آئی کو یہ مشورہ دیں کہ وہ پی پی پی کے حق میں دستبردار ہوجائیں تو بھی کچھ لوگ یہ خیال کریں گے کہ یہ تو پیپلزپارٹی کے حامی ہیں اور آئی جے آئی کے مخالف ۔ حالانکہ ایسا ہرگز ہرگز نہیں ' نہ تو وہ آئی جے آئی کے حمائتی ہیں اور نہ ہی پی پی پی کے ۔ جب بھی وہ کسی معاملہ میں رائے یا مشورہ کا اظہار کرتے ہیں تو ان کے پیش نظر صرف اور صرف ملکی بقاء اور سلامتی ہوتی ہے ' کسی سیاسی گروہ کی حمایت یا وابستگی کا اظہار نہیں ۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایسا کرتے ہی کیوں ہیں کہ جس سے کسی وابستگی کا شبہ بھی پیدا ہو؟۔

اس سے پہلے کہ میں اس سوال کی وضاحت کروں یہاں ایک نکتہ اور سمجھ لینا چاہیے کہ اگر اس شبہ میں ذرا بھی سچائی ہو کہ ہم کسی سیاسی گروہ یا انگریزوں کے لائے ہوئے سیاسی جمہوری نظام کو صحیح سمجھتے ہیں تو پھر تنظیم اسلامی کا قائم کرنا اور تحریک خلافت کے برپا کرنے کا کیا جواز رہ جاتا ہے جس کا مقصد ہی نظام خلافت کا قیام ہے !۔

جان لیجئے کہ تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت برپا ہی اس لئے کی گئی ہے کہ ہم صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے قائم کردہ نظام خلافت کے علاوہ پوری سیاست اور اس کی علمبردار پارٹیوں کی نفی کرتے ہیں ۔ اور مزید یہ کہ نظام خلافت اگر قائم کیا جاسکتا ہے تو اس کا واحد راستہ انقلاب کا راستہ ہے جو خود حضورؐ نے اپنایا تھا ' ناکہ مغربی جمہوریت کا انتخابی طریقہ کار جو صرف وڈیروں ' جاگیرداروں اور رسہ گیروں ہی کو اقتدار میں لا سکتا ہے ۔

اب یہاں میں پھر اپنے اس سوال کے جواب کی طرف آؤں گا کہ پھر ہم ایسی رائے یا مشورہ کیوں دیتے ہیں جس سے کسی کے ساتھ وابستگی کا شبہ ہو ۔ تو جناب ! تحریک خلافت کے حوالہ سے نظام خلافت کی جدوجہد ہم اس لئے کررہے ہیں کہ اس کو سر زمین پاکستان میں نافذ کیا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب پاکستان باقی رہے ۔ لہٰذا اہم ملکی سلامتی و بقاء کے پیش نظر ہر وہ کام کریں گے جو ہمارے بس میں ہوگا ۔

اس دعوے کے ساتھ اپنی تحریر کو ختم کرتا ہوں کہ اگر کوئی بھی بیدار مغز اور باخبر شخص گزرے برسوں سے لے کر آج تک داعی تحریک خلافت و امیر تنظیم اسلامی کے ملکی بقاء و سلامتی کے تناظر میں رائے اور مشوروں کو اکٹھا کرے تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ وہ وقت کے بہترین مشورے تھے ۔ کاش ان پر عمل کیا جاتا تو آج مملکت خداداد پاکستان کو یہ برے دن نہ دیکھنے پڑتے ۔ خدا ہم سب کو صحیح علم اور فہم عطا کرے ۔ آمین ۔

فیاض اختر میاں۔
علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

اخبارات اور رسائل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے (جو فی الحقیقت ان صاحب بصیرت لوگوں میں سے اکیلے ہی میدان میں ہیں جو قوموں کی تقدیر پلٹ دیا کرتے ہیں) صاحب صدر پر زور دیا ہے کہ وہ از سر نو الیکشن کروائیں ۔ ڈاکٹر صاحب اس بات سے تو بخوبی آگاہ ہونگے کہ اسی ملک کی ۷۰۰ کے قریب ممبروں کی تعداد میں سے ۷۰٪ ان چالیس خاندانوں سے ہیں جن کی اکثریت کھربوں روپے کے قرضے ہضم کئے بیٹھی ہے۔ سود قوم کے سر پر اور عیش لٹیروں کا!۔

ہر الیکشن میں یہی لوگ ہیر پھیر سے پھر اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ صرف اوپر کا لیبل بدلا ہوا ہوتا ہے ۔ کیا نئے الیکشن میں پھر یہی لوگ اقتدار میں نہ آئیں گے اور کیا واقعی جمہوریت کو چلانے کے الیکشن کے طریقہ کار کو بدلے بغیر عوام کی جمہوریت لائی جاسکتی ہے؟۔ سندھ کے لٹیروں کے سامنے بڑے لٹیرے بے بس ہو کر فوج کو بلا لائے لیکن کھربوں روپیہ ہضم کرنے والوں کے لئے سیدھا راہ بتانے والا کہاں سے آئے گا؟ کیا الیکشن کے طریقہ کار کو بدلے بغیر شریعت لانے کا خواب پورا ہوسکتا ہے؟۔

کیا موجودہ الیکشن سے باکردار لوگ اسمبلیوں میں پہنچیں گے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اس کا کیا فائدہ ماسوائے اس کے کہ حکومت کے پختہ عزم کا نقارہ پیٹنے اور کڑی نگاہ رکھنے کا اعلان کرنے والے انہی کے بھائی بند ہونگے جو ان لوگوں کو تحفظ فراہم کریں گے ۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ اس بدقسمت قوم کی ایک قیمتی متاع ہیں براہ کرم ان سے عرض کیجئے کہ اس طریق کار کو بدلنے کے لئے عوام کو تیار کریں اور عوامی ذہن کو اس طرح تعلیم دیں کہ لوگ پھر دھوکہ میں نہ آئیں ۔

حکیم بشیر احمد ۔ ایم اے
شیخوپورہ

بقیہ مغرب اور اسلام

تصورات میں کوئی فرق نہیں ہوتا ۔ بلکہ بنیادی طور پر اختلاف کی بجائے ان میں یکسانیت پائی جاتی ہے ' اس طرح وہاں پر مخالف قوتیں ' مثلاً امریکہ میں کمونسٹ پارٹی ' جمہوری عمل کے نتیجے میں از خود غیر موثر ہوجاتی ہیں" النہضہ کے ترجمان ۳۵ سالہ علی لیراید نے بتایا کہ " ہمیں تو ابھی پتہ چلا کہ حریت کا تصور اسلام اور قرآن کی رو سے بنیادی اہمیت کا حامل ہے" لوری عجمی تیونس میں ایک غیر سرکاری سکول میں فلسفہ پڑھاتے ہیں ' کہنے لگے کہ "غنوچی ' مغرب ' خصوصا امریکہ کے جمہوری نظام کو اسلام کے قریب تر سمجھتے ہیں" --- لیکن اکثریت نے اگر اقلیتوں اور ان مسلمانوں پر بھی ' جو اسلام کا نفاذ نہیں چاہتے ' اسلام نافذ کرنا چاہا تو اس صورت میں کیا ہوگا؟ عجمی نے کسی قدر مایوسی سے کہا " ہم اس میں کیا کرسکتے ہیں؟" تیونس کے یہ دیہاتی دانش ور ' جو النہضہ کی اصل قوت ہیں ' محسوس کرتے ہیں کہ کہیں لینن کی طرح اکثریت کی آمریت قائم ہوگئی تو جس حریت اور آزادی کے لئے وہ سرگرداں ہیں وہ آسانی سے ان کے ہاتھ سے نکل سکتی ہے۔ ایک بنیادی سوال بہر حال بدستور دنیا کے لئے پریشانی کا باعث رہے گا ' یعنی یہ کہ آیا اسلام کے غیر متبدل قوانین کے ہوتے ہوئے اختلاف رائے کی گنجائش ہوگی یا باقی ہر طرح کی ثقافت اسلام کے تابع ہوگی ۔ اس وقت دونوں جانب جو زیادہ سے زیادہ چاہا جاسکتا ہے وہ اس احساس کا پیدا ہونا ہے کہ دشمنی میں کمی نہ آنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کے بعد براہ راست تصادم ناگزیر ہے۔

بقیہ سیاست خلافت

اس پر ہمیں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ۔

انہی کلمات کے ساتھ اس سیمینار کا اختتام تقریباً گیارہ شب ہوا۔ بعد میں وہیں نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی ۔○○

اور تاریخ کا ذکر تھا موصول ہوا شکریہ۔

علاوہ ازیں آپ نے اس ناچیز کو اپنی طرف سے ہدیہ تبریک عنایت فرمایا ہے ۔ اس کا شکریہ بھی آپ کی خدمت اقدس میں پیش کرتا ہوں ۔

سچ پوچھیے تو آپ ہی ہر قسم کی مبارک کے مستحق ہیں ۔ یہ آپ ہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آپ نے تحریک خلافت پاکستان کا "پودا" لگایا ہے۔ کاش کہ ہم سب معاونین تحریک مل جل کر اس کی آبیاری کریں اپنے اعمال حسنہ سے ۔ اپنے مال طیب سے ۔ اپنے اخلاق حسنہ سے ۔ اپنی اخوت سے ۔ اپنی جانثاری سے ۔ اپنے عدل و انصاف سے اور مخلوق خدا کی خدمت سے۔

میں تو زندگی کی ۷۳ ویں منزل طے کرچکا ہوں۔ گزرے ہوئے ایام میں جو کچھ دیکھا اس سے میں نے یہی اخذ کیا کہ دور حاضر میں خلافت کا قیام ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر نظام صلوٰۃ' نظام زکوٰۃ' نظام عدل اور نظام معیشت قائم نہیں ہوسکتا۔ کاش کہ دنیا کے سارے مسلمان مغرب کی جمہوریت سے منہ موڑ کر اسلام کی خلافت سے اپنا ناطہ جوڑ لیں! یوں ہم غیروں کی محتاجی سے چھٹکارا حاصل کرسکیں گے ۔

تحریک خلافت پاکستان کے "پودے" پر اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ قائم رکھے اور آپ کو اور آپ کے دیگر ہم سفروں کو اللہ تعالیٰ صحت کاملہ اور عاجلہ سے نوازے رکھے آمین ۔

میری دلی حسرت ہے کہ آخرت کی طرف لوٹنے سے پہلے پہلے خلافت راشدہ کا عکس تو دیکھ لوں ! امید ہے تحریک خلافت پاکستان کو حکومت پاکستان نے رجسٹر کرلیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تحریک خلافت پاکستان کو قوت بخشے! آمین والسلام

خیراندیش معاون تحریک
محمد رفیع الدین
اقبال سٹریٹ سرکلر روڈ گجرات

جناب مدیر ندائے خلافت پاکستان
السلام علیکم

محترم میری زیر نظر تحریر کا مقصد جہاں دیگر مکاتب فکر کی طرف سے داعی تحریک خلافت محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی ملکی حالات اور سیاسی پس منظر میں کی جانے والی تقاریر پر پیدا کئے جانے والے اشکالات کا ازالہ ہے ' وہیں اپنے ہمسفر معاونین تحریک خلافت میں سے بھی انہیں جو ابھی فکر تحریک سے پوری طرح آگاہ نہیں ہوئے ' مخاطب کرنا ہے ۔ اب میں آتا ہوں ان وسوسوں کی طرف جو لوگوں کے ذہنوں میں تحریک خلافت کے سیاسی فکر کے حوالہ سے پیدا ہوتے ہیں یا ہوسکتے ہیں جن کا سبب یہ ہے کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد خطاب جمعہ کے آخری حصہ میں ملکی حالات پر رائے اور بعض اوقات حزب اقتدار یا حزب اختلاف کو مشورے بھی دیتے ہیں۔

اب جب کسی معاملہ میں مشورہ دیا جائے گا یا رائے کا اظہار کیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ رائے یا مشورہ کسی کے حق میں جائے گا اور کسی کے خلاف ۔ اس کو مزید واضح کرنے کے لئے ملک کی دو بڑی سیاسی قوتیں آئی جے آئی اور پی پی پی کا ہی ذکر لے لیں ۔ اگر ان دو کے مابین کسی ملکی معاملہ میں رسہ کشی ہو رہی ہے جس سے ملکی سلامتی کو شدید خطرہ ہو تو اس موقع پر نظام خلافت کی بات کرنے والے ---- جو تمام معاملات چاہے وہ سیاسی ہوں ' اقتصادی ہوں ' معاشی ہوں یا مذہبی تمام کا احاطہ کرتا ہے ---- کیسے خاموش رہ سکتے ہیں جبکہ یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے کہ دین محمدؐ مکمل ضابطہ حیات ہے اور اگر یہ ہمارا ایمان ہے کہ نظام خلافت بنی نوع انسان کی زندگی کے ہر گوشے کا مکمل احاطہ کرتا ہے تو اس سے کوئی معاملہ باہر کیسے رہ سکتا ہے ؟۔

اب اگر محترم ڈاکٹر اسرار احمد ملکی سلامتی کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ رائے دیں کہ اس معاملہ میں پیپلزپارٹی والے اسلامی جمہوری اتحاد کے حق میں دستبردار ہوجائیں تو نتیجہ کچھ لوگ یہ خیال کریں

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

حلقہ شرقی پنجاب نمبر۲ کا دورہ

۲۷ر جون کو نماز عصر کے بعد چھ بجے کے قریب محمد اشرف وصی صاحب ناظم تنظیم اسلامی حلقہ شرقی پنجاب نمبر۲ محمد جاوید صاحب کی ہمراہی میں چھبراں تشریف لائے اور مقامی رفیق سراج الحق کے مشورے سے وہاں اپنے پروگرام کو آخری شکل دی ۔ نماز مغرب گاؤں کی جامع مسجد میں ادا کرنے کے بعد وصی صاحب نے مائک پر سورۃ الروم کی آیت نمبر۴۱ کی تلاوت فرمائی اور نصف گھنٹہ کے خطاب میں لوگوں کو خوب جھنجھوڑا ۔ انہوں نے کہا کہ بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے چھوٹے عذاب تنبیہہ کے لئے آتے ہیں اور یہ سب کچھ ہمارے اپنے کرتوتوں کیوجہ سے ہوتا ہے

پھر مرکزی جامع مسجد اہلحدیث میں نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد وصی صاحب نے پندرہ بیس منٹ خطاب فرمایا ۔ موضوع وہی تھا یعنی سورۃ الروم کی آیت نمبر۴۱ کے ذریعے انذار۔

نماز فجر کے لئے طے تھا کہ مسندہ ورکاں میں ادا کریں گے لہٰذا علی الصبح مسندہ ورکاں کی جامع مسجد میں نماز فجر کے بعد تحریک خلافت کے موضوع پر وصی صاحب نے خطاب کیا جس کے بعد معاون فارم بھی لوگوں میں تقسیم کئے گئے۔ مسجد سے فارغ ہو کر نوشہرہ ورکاں میں حاجی محمد اشرف صاحب کے ہاں ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر انفرادی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا گیا ۔ تقریباً ۱۱ بجے ہمارے مقامی رفیق سراج الحق صاحب وصی صاحب کو لے کر دفتر جماعت اسلامی پہنچے جہاں بعد میں جاوید صاحب بھی پہنچ گئے ۔ وہاں ایک بجے تک کھل کر گفتگو ہوئی اور وصی صاحب نے سوالوں کے تسلی بخش جوابات دئے ۔

واپس آئے تو لنچ تیار تھا اور ڈاکٹر محمد انور صاحب بھی مدعو تھے ۔ ان کو تنظیم کی دعوت دی گئی ۔ انہوں نے اکتوبر ۹۲ء میں اپنے فیصلہ سے آگاہ کرنے کا وعدہ فرمایا۔ایک اور دوست عبدالمجید پرویز صاحب نے بھی تنظیم اسلامی کے مقاصد سے کلی اتفاق کا اظہار کیا لیکن انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے متعلق کسی اپنے عزیز سے مشورہ کرنے کی مہلت طلب فرمائی ۔

نوشہرہ ورکاں سے واپس چھبراں پہنچ کر ذاکر بھٹی صاحب اور محمد لطیف صاحب سے ملاقات کرنے کے بعد نماز عصر ادا کی گئی ۔ اور ایک اور رفیق محمد اصغر کی قیام گاہ پر گئے۔ ان سے بھی ذاتی سطح پر تبادلہ خیال ہوا۔ ان ذاتی رابطوں کے نتائج کا حصول مقامی رفیق تنظیم کی ذمہ داری ہے اور امید ہے کہ وہ اللہ کی توفیق سے اپنے اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کریں گے ۔○○

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36 -K,Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

ہم اپنے گارمنٹس بیڈلنن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک اسکینڈی نیوین ممالک شمالی امریکہ روس اور مشرق وسطی کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں رک کر دم نہیں لینے دیتی ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے' ایسی محنت جو کوالٹی ڈیزائن اور پابندیٔ وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

Jawad

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد کراچی-18-پاکستان- فون 610220-616018-628209

کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس 610522 (92-21)